مواعظِ عثمانی

اصلاحی تقاریر ومضامین کا موضوع وار مجموعہ

معاشرت ﴿حصہ اول﴾

جلد: ۱۳

مفتی محمد تقی عثمانی



مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴
(Quranic Studies Publishers)

مواعظِ عثمانی

معاشرت

جلد ۱۳

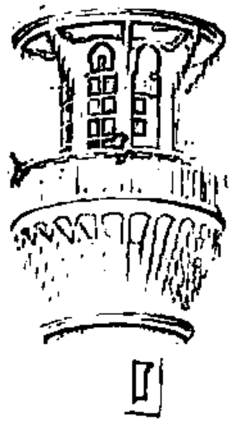
بسم الله الرحمن الرحيم

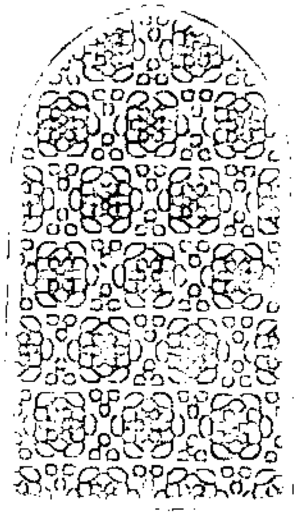
مواعظِ عثمانی

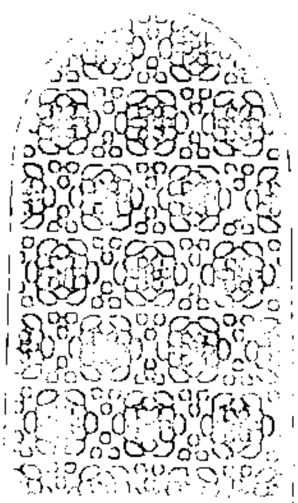
معاشرت

جلد: ۱۳

مفتی محمد تقی عثمانی







ترتیب و تخریج

مولانا عنایت الرحمٰن

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
Karachi. Pakistan.

عرضِ ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبہ معارف القرآن کراچی نے "مواعظِ عثمانی" کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔

اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

باہتمام

ڈاکٹر مفتی محمد حسان اشرف عثمانی

طبع : ربیع الاول ۱۴۴۶ھ - ستمبر ۲۰۲۴ء

ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی

فون : 92-21-35123130
35031565
0312-2592838

ای میل : info@mmqpk.com
mm.q@live.com

ویب سائٹ : www.mmqpk.com
www.maktabamaarifulquran.com

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
maktabamaarifulquran.com
احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی، کورنگی انڈسٹریل ایریا، کراچی، پاکستان - 75180

فیس بک سے خریداری کے لئے scan کریں
0300-2150304

ملنے کے پتے

مکتبہ دار العلوم، کراچی	فخر الدین کانچ والا، کراچی	اسلامی کتاب گھر، فیصل آباد	مکتبہ رشیدیہ، راولپنڈی
دار الاشاعت، کراچی	مکتبہ اصلاح و تبلیغ، حیدر آباد	مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
بیت القرآن، کراچی	ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان	مکتبہ صفدریہ، راولپنڈی	دار الاخلاص، پشاور
مکتبۃ القرآن، کراچی	مکتبہ رحمانیہ، لاہور	اسلامی کتاب گھر، راولپنڈی	مکتبہ احیاء العلوم، کرک
بیت الکتب، کراچی	مکتبہ بیت العلوم، لاہور	مکتبہ عثمانیہ، راولپنڈی	مکتبہ عباسیہ، تیمر گرہ
ادارۃ اسلامیات، کراچی/لاہور	مکتبہ سید احمد شہید، لاہور	مسٹر بکس، اسلام آباد	مکتبہ احرار، مردان
مکتبہ عمر فاروق، کراچی	الفلاح پبلیشرز، لاہور	دار السلام، اسلام آباد	قرآن مجید محل، مردان

پیشِ لفظ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الكريم وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے بندے کو دارالعلوم ۱۹۵۹ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد ہی سے جمعہ کی تقریر کرنے پر مقرر فرمادیا تھا، شروع میں اپنے لسبیلہ ہاؤس والے گھر کے قریب عزیزی مسجد میں کئی سال جمعہ کی تقریر کرتا رہا، پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کے بعد جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس میں سالہا سال جمعے کی تقریر کی نوبت آتی رہی۔ ۱۹۹۹ء میں میرے استاد گرامی حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی جو جامع مسجد بیت المکرم میں جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور ان کی تعلیمات کا فیض دور تک پھیلا ہوا تھا، اس موقع پر مجھے جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس سے بیت المکرم منتقل کیا گیا اور وہاں ۱۹۹۹ء سے ۲۰۲۰ء تک جمعہ کی تقریر کا سلسلہ رہا۔

میرے شیخ مکرم حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفی صاحب قدس اللہ سرہ کی

وفات کے بعد میرے استاذ حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر میں نے لسبیلہ ہاؤس کی جامع مسجد نعمان میں اور پھر بیت المکرم میں اتوار کے دن عصر کے بعد ایک اصلاحی مجلس کا سلسلہ شروع کیا، اس وقت میری تقریریں محفوظ کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا اور نہ میں انہیں اس قابل سمجھتا تھا کہ انہیں شائع کیا جائے، لیکن میرے انتہائی مشفق دوست حضرت پروفیسر شمیم احمد صاحب (جو اس وقت ''معارف القرآن'' کا انگریزی ترجمہ کررہے تھے) نے میرے معاون مولانا عبد اللہ میمن صاحب سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ان تقریروں کو ریکارڈ کر کے قلمبند کرلیا کریں، چنانچہ انہی کی تحریک پر ان اصلاحی بیانات اور کسی قدر جمعے کے خطبوں پر مشتمل ایک طویل سلسلہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے منظرِ عام پر آگیا جس کی اب غالباً ۲۵ جلدیں ہوچکی ہیں۔

تجربے سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان کی اشاعت مفید ہوئی اور حضراتِ ائمہ وخطباء بھی اپنی تقاریر میں ان سے مدد لینے لگے اور عام مسلمانوں کو بھی عام فہم انداز میں دین کی بنیادی معلومات آسانی سے پہنچنے لگیں، اس کے علاوہ بندہ کو مختلف مواقع پر کراچی یا کسی اور شہر میں، بلکہ کسی اور ملک میں بھی اس طرح کی تقریروں کا موقع ملتا رہا اور متعدد احباب انہیں قلمبند کر کے شائع کرتے رہے اور کسی خاص موضوع کے بارے میں انہی تقاریر سے متعدد مجموعے بھی مرتب کر کے شائع کیے گئے۔

مجھے ایک فکر ہمیشہ دامن گیر رہی کہ اصلاحی بیانات میں بسا اوقات واقعات اور احادیث میں صحت کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا مستقل تالیفات میں ہوتا ہے، اس لیے میں نے اپنے احباب میں سے مولانا عنایت الرحمن صاحب کو اس پر

نامزد کیا کہ وہ میری تقاریر میں بیان کردہ احادیث یا سلف کے واقعات کی تحقیق وتخریج کریں اور جہاں غلطی ہوئی ہو، اس کی اصلاح کریں۔ میرے مشورے سے وہ یہ کام ماشاء اللہ قابلیت کے ساتھ کرتے رہے۔ مولانا عنایت الرحمن صاحب نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ ''اصلاحی خطبات''، ''اصلاحی مجالس'' اور بیانات کے مختلف مجموعوں کو بھی عنوانات و مضامین کی ترتیب سے مرتب کیا اور جو تقاریر ''البلاغ'' میں یا کسی دوسرے رسالے میں شائع ہوئی تھیں یا کسی کتاب کا جز تھیں ان کا بھی استقصاء کرکے ایک نیا مجموعہ ''مواعظِ عثمانی'' کے نام سے مرتب کردیا اور اس لحاظ سے یہ بندہ کی تقاریر، مواعظ اور بیانات کا سب سے زیادہ جامع مجموعہ ہوگیا ہے اور حسبِ استطاعت اس میں تخریج و تحقیق کا بھی اہتمام ہے جس سے اس کے درجۂ استناد میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزِ موصوف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماکر اس بے عمل کے لیے ذخیرۂ آخرت بنادیں اور اس سے عام و خاص مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ آمین

دارالعلوم کراچی ۱۴

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۵/محرم ۱۴۴۳ھ

عرض ناشر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

زیرِ نظر کتاب سلسلہ ''مواعظِ عثمانی'' جلد ۱۴ ''معاشرت (حصہ اوّل)'' جو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات، تقاریر اور مضامین کا تخریج شدہ جامع اور مستند موضوع وار مجموعہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کو اللہ ربُّ العزت نے جو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، ماہرِ معاشیاتِ اسلامی، مؤرخ، محقق، شاعر، ادیب اور مبلغ و داعیٔ اسلام ہیں۔ اسی دعوت وارشاد کا سلسلہ عرصۂ دراز سے ہفتہ واری مجلس کی صورت میں تاحال جاری ہے اور الحمد للہ اس سے بلا مبالغہ لاکھوں انسانوں کو فائدہ ہو رہا ہے، جن میں غیر مسلم حضرات بھی شامل ہیں۔ اور اسی دعوت وارشاد کی برکت سے بہت سارے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں اور آج ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم کے انہی بیانات ومواعظ سے علماء، طلباء اور خطباء کرام استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور حضرت والا دامت برکاتہم کے جملہ بیانات ومواعظ تحریراً اور تقریراً عوام الناس میں مقبول ہیں اور ہر طبقہ ان سے مستفید ہو رہا ہے۔

فاضل مرتب نے اس مجموعہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا مکمل استیعاب کیا گیا ہے:

۞ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۞ اصلاحی خطبات ۞ اصلاحی مواعظ
۞ اصلاحی مجالس ۞ خطباتِ عثمانی ۞ خطبات دورۂ ہند
۞ درسِ شعب الایمان ۞ نشری تقریریں ۞ فرد کی اصلاح
۞ اصلاحِ معاشرہ ۞ تربیتی بیانات ۞ ذکر وفکر
۞ The Islamic months

۞ اور اس کے علاوہ

۞ آسان ترجمہ قرآن ۞ اسلام اور ہماری زندگی ۞ انعام الباری
۞ تقریرِ ترمذی ۞ جہانِ دیدہ ۞ سفر در سفر
۞ دنیا مرے آگے ۞ اسلام اور جدید معاشی مسائل ۞ ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، نیز ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شائع شدہ اور صوتی صورت میں محفوظ شدہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے بعض بیانات و خطبات کو شامل کیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر اس کی تصحیح اور تحقیق کا اہتمام ہوا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مجموعہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات ومضامین کا جامع اور مستند ترین مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کی ترتیب، تحقیق وتخریج حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر ان کی نگرانی میں مولانا عنایت الرحمن صاحب نے کی ہے۔ اس مجموعہ کی خصوصیات اور تحقیق وتخریج کا طریقۂ کار اس مجموعہ کی پہلی جلد ''ایمان وعقائد ونظریات (حصہ) اوّل'' کے شروع میں درج ہے، اس کی مراجعت ان شاء اللہ مفید رہے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اسے ادارہ کے جملہ احباب ومعاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنادے۔ آمین یا رب العالمین۔

انتظامیہ مکتبہ معارف القرآن کراچی

فہرستِ عنوانات

اجمالی فہرستِ عنوانات

تفصیلی فہرست

اجتماعی زندگی احادیث کی روشنی میں

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرے مسلمانوں کے حقوق

① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

''ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں:

① جب کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔

② کسی کا انتقال ہو تو اس کے جنازے میں شرکت کرے۔

③ کوئی دعوت کرے تو اس کی دعوت قبول کرے۔

④ کسی سے ملاقات ہو تو اسے سلام کرے۔

⑤ اسے چھینک آئے تو ''یرحمک اللہ'' کہہ کر اس کا جواب دے۔

⑥ اور اس کی موجودگی میں بھی اور پیٹھ پیچھے بھی اس کی خیر خواہی کرے''۔ (۱)

(۱) سنن النسائی ٤/٥٣ (١٩٣٨) طبع مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ حلب۔ و صحیح مسلم ٤/١٧٠٥ (٢١٦٢) طبع دار احیاء التراث العربی۔

② حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''تم اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتے جب تک مومن نہ ہو اور اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ ہو اور کیا میں تمہیں ایک ایسا طریقہ نہ بتاؤں کہ اس پر عمل کرنے سے تم میں باہمی محبت پیدا ہو، (وہ طریقہ یہ ہے کہ) تم ایک دوسرے کو سلام واضح طریقے سے کیا کرو''۔ (۱)

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''سوار پیدل کو سلام کرے، چلنے ولا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑی جماعت بڑی جماعت کو''۔ (۲)

④ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔''(۳)

⑤ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

---

(۱) صحیح مسلم۷۴/۱(٥٤) وسنن ابی داود٣٥٠/٤(٥١٩٣) طبع المکتبة العصریة بیروت۔
(۲) صحیح البخاری ٥٢/٨ (٦٢٣٢) طبع دار طوق النجاة۔ وصحیح مسلم ١٧٠٣/٤ (٢١٦٠)۔
(۳) صحیح البخاری٥٢/٨(٦٢٣٤)۔

''اللہ سے قریب ترین شخص وہ ہے جو سلام کی ابتدا کرے''۔ (۱)

⑥ حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو اس کے باشندوں کو سلام کرو اور جب وہاں سے جانے لگو تو ان کو سلام کر کے رخصت ہوں''۔ (۲)

⑦ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''جب بھی دو مسلمان آپس میں ملاقات کرتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کے صغیرہ گناہوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے''۔ (۳)

⑧ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''بیمار کی مکمل عیادت یہ ہے کہ تم اس کی پیشانی پر یا ہاتھ پر

---

(۱) سنن ابی داود ۳۵۷/۴ (۵۱۹۷) والحدیث سکت عنه أبو داود والمنذری فی "مختصره"، وذکره النووی فی "الأذکار" ص ۲۵۰ (۷۲۲) وقال: بإسناد جید جید۔

(۲) مصنف عبد الرزاق ۳۸۹/۱۰ (۱۹۴۵۰) طبع المکتب الاسلامی۔ شعب الایمان للبیهقی ۲۳۱/۱۱ (۸۴۵۹) وقال هکذا جاء مرسلا. طبع مکتبة الرشد. وذکره المناوی فی "فیض القدیر" ۳۴۱/۱ (۵۹۴) وقال: مرسل جید الاسناد۔ طبع المکتبة التجاریة الکبری مصر

(۳) سنن ابی داود ۳۵۴/۴ (۵۲۱۱) وسنن الترمذی ۴۴۷/۴ (۲۷۲۷) وقال: هذا حدیث "غریب"۔ وفی نسخة: "حسن غریب" طبع دار الغرب الإسلامی، وسنن ابن ماجه ۲۷۷/۵ (۳۷۰۳) طبع دار الجیل بیروت۔

اپنا ہاتھ رکھو اور اس سے پوچھو کہ وہ کیسا ہے؟ اور آپس میں ملتے وقت مکمل تحیہ یہ ہے کہ مصافحہ بھی کرو"۔ (۱)

⑨ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"کوئی شخص خود بیٹھنے کے لیے دوسرے کو اس کی جگہ سے کھڑا نہ کرے اس کے بجائے مجلس میں ایک دوسرے کو جگہ دو اور دوسروں کے لیے وسعت پیدا کرو"۔ (۲)

⑩ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو شخص اپنی مجلس سے اٹھ کر کہیں چلا جائے، پھر واپس آجائے تو وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے"۔ (۳)

⑪ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

---

(۱) سنن الترمذی ٤٤٩/٤ (٢٧٣١) وقال: هذا إسناد ليس بالقوي، قال محمد: وعبيد الله بن زحر ثقة وعلي بن يزيد ضعيف، والقاسم هو ابن عبد الرحمن يكنى أبا عبد الرحمن، وهو مولى عبد الرحمن بن خالد بن يزيد بن معاوية، وهو ثقة، والقاسم شامي. ومسند احمد ٥٧٢/٣٦ (٢٢٢٣٦) طبع مؤسسة الرسالة، وذكره النووی فی "خلاصة الاحكام" ٩١٤/٢ (٣٢٣٩) وقال رواه الامام احمد باسناد ضعيف. طبع موسسة الرسالة۔

(۲) صحیح البخاری ٦١/٨ (٦٢٧٠) وصحیح مسلم ١٧١٤/٤ (٢١٧٧)۔

(۳) صحیح مسلم ١٧١٥/٤ (٢١٧٩) وسنن الترمذی ٤٦٥/٤ (٢٧٥١) وسنن ابن ماجه ٢٨٧/٥ (٣٧١٧)۔

''جس شخص کو یہ پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں (اور وہ بیٹھا ہوا ہو) تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے''۔(۱)

⑫ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دو آدمیوں کے درمیان ان سے اجازت لیے بغیر مت بیٹھو''۔(۲)

⑬ حضرت واثلہ بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مسلمان کا یہ حق ہے کہ جب اس کا بھائی اسے دیکھے تو اس کی خاطر اپنی جگہ سے (کچھ) حرکت کرے''۔(۳)

⑭ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا

---

(۱) سنن ابی داود ۳۵۸/٤ (۵۲۲۹) وسنن الترمذی ٤٦٧/٤ (۲۷۵۵) وقال هذا حدیث حسن.

(۲) سنن ابی داود ۳۶۲/٤ (٤٨٤٤) وسنن الترمذی ٤٦٥/٤ (۲۷۵۲) وقال هذا حدیث حسن.

(۳) شعب الایمان للبیهقی ۳۷۲/۱۱ (۸۵۳۳-۸۵۳٤) وقال المناوي في "التيسير" (۳۳۸/۱): باسناد ضعیف طبع مکتبة الإمام الشافعي. الرياض. ورواه الطبرانی فی "المعجم الكبير" ۹۵/۲۲ (۲۲۸) من وجه آخر وقال الهيثمي في "المجمع" ۸۱/۸ (۱۲۷۸۷): رواه الطبراني، ورجاله ثقات إلا أن أبا عمير عيسى بن محمد النحاس لم أجد له سماعا من أبي الأسود، والله أعلم. (طبع دار الفكر)۔

ہے۔ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ ''الحمد للہ'' کہے، تو ہر اس مسلمان پر جس نے الحمد للہ سنا ہو، اس کا یہ حق ہے کہ وہ جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہے۔ جہاں تک جمائی کا تعلق ہے وہ تو شیطانی چیز ہے، لہٰذا جب کسی کو جمائی آئے تو اسے چاہیے کہ جتنا ہو سکے اسے روکے، اس لیے کہ جب کوئی جمائی لیتا ہے تو شیطان ہنستا ہے''۔ (۱)

⑮ حضرت عبید بن رفاعہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''چھینک والے کو تین مرتبہ (یرحمک اللہ کہہ کر) جواب دیدو، لیکن اسے اس سے زیادہ چھینکیں آتی ہیں تو چاہے جواب دیدو چاہے نہ دو''۔ (۲)

⑯ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب کسی کو جمائی آئے تو وہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے''۔ (۳)

---

(۱) صحیح البخاری ۴۹/۸ (۶۲۲۳)۔

(۲) سنن ابی داود ۳۰۸/۴ (۵۰۳۶) وسنن الترمذی ۴۶۰/۴ (2744). وذکرہ الحافظ ابن حجر فی ''فتح الباری'' ۶۰۵/۱۰ وقال: ھذا إسناد حسن والحدیث مع ذلك مرسل. طبع دار المعرفة.

(۳) صحیح مسلم ۲۲۹۳/۴ (۲۹۹۵)۔

دوسروں کے ساتھ سلوک

① حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''مسلمانوں کو گالی دینا گناہ ہے اور اس کے ساتھ قتال کفر ہے''۔(۱)

② حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''کسی سچے مسلمان کے شایانِ شان نہیں کہ وہ دوسروں پر لعنت کرتا پھرے''۔(۲)

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''جو شخص (اپنے آپ کو پاک وصاف سمجھتے ہوئے یہ کہے) کہ لوگ تباہ ہو گئے ہیں (یعنی اعمال بد میں مبتلا ہیں) تو وہ شخص ان عام لوگوں سے زیادہ تباہ حال ہے''۔(۳)

④ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''قیامت کے روز بدترین شخص دو رُخا آدمی ہوگا جو اِن کے

---

(۱) صحیح البخاری ۱۹/۱ (٤٨) وصحیح مسلم ۸۱/۱ (٦٤)۔
(۲) صحیح مسلم ۲۰۰۵/٤ (۲۵۹۷)۔
(۳) صحیح مسلم ۲۰۲٤/٤ (٢٦٢٣)۔

پاس ایک روپ میں آئے اور اُن کے پاس دوسرے روپ میں''۔ (۱)

⑤ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

''چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔ (۲)

⑥ حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

''افسوس ہے اس شخص پر جو جھوٹی باتیں کرے تاکہ لوگ ہنسیں، افسوس ہے اس پر، افسوس ہے اس پر''۔ (۳)

⑦ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو کسی (ایسے) گناہ پر (جس سے اس نے توبہ کرلی ہو) عار دلائے تو وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس گناہ کا ارتکاب نہ کرلے''۔ (۴)

⑧ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

---

(۱) صحیح البخاری ۱۸/۸ (۶۰۵۸) وصحیح مسلم ۲۰۱۱/۴ (۲۵۲۶)۔
(۲) صحیح البخاری ۱۷/۸ (۶۰۵۶)۔ صحیح مسلم ۱۰۱/۱ (۱۰۵)۔
(۳) سنن ابی داود ۲۹۷/۴ (۴۹۹۰) وسنن الترمذی ۱۴۷/۴ (۲۳۱۵) وقال هذا حديث حسن.
(۴) سنن الترمذی ۲۷۶/۴ (۲۵۰۵) وقال هذا حديث حسن غريب، وليس اسناده بمتصل وخالد بن معدان لم يدرك معاذ بن جبل... الخ۔

''مجھے پسند نہیں ہے کہ میں کسی کی نقل اتاروں خواہ مجھے اس کے بدلے میں کچھ ہی کیوں نہ مل جائے''۔ (۱)

⑨ حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''اللہ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے کہ تم تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر بڑائی کا اظہار نہ کرے اور کوئی کسی پر ظلم نہ کرے''۔ (۲)

⑩ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''جو لوگ اپنے مرے ہوئے (کافر) آباءواجداد پر فخر کرتے ہیں وہ باز آجائیں (کیونکہ) وہ تو اب جہنم کا کوئلہ بن چکے ہیں، ورنہ ایسے لوگ اللہ کے نزدیک اس سیاہ کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہوں گے جو اپنی ناک سے گندگی ڈالتا پھرتا ہے، بلاشبہ اللہ نے تم لوگوں سے جاہلیت کی نحوست دور کردی ہے اور جاہلیت میں جو آباء واجداد پر فخر کیا جاتا تھا اس سے نجات دے دی ہے، اب انسان صرف دو قسم کے ہیں یا متقی مومن یا بد باطن گنہگار، سارے

---

(۱) سنن الترمذی ٤/٢٧٥ (٢٥٠٢) وقال هذا حديث حسن صحيح، وسنن ابی داود ٤/٢٦٩ (٤٨٧٥).

(۲) صحیح مسلم ٤/٢١٩٨ (٢٨٦٥).

آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے تھے۔"(۱)

⑪ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"رحمن رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے، زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا"۔(۲)

⑫ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"ایک مرتبہ ایک شخص اپنی راہ پر جارہا تھا کہ اسے شدید پیاس لگی، کچھ دیر میں اسے ایک کنواں مل گیا، اس نے اس میں اُتر کر پانی پیا اور نکل آیا، اچانک اس نے دیکھا کہ ایک ہانپتا ہوا کتا پیاس کی شدت سے مٹی کھا رہا ہے، اس شخص نے کہا کہ اس کو ایسی ہی پیاس لگی ہے جیسی مجھے لگی ہوئی تھی، یہ سوچ کر وہ کنویں میں اُترا اور کوئی برتن موجود نہیں تھا، جس میں پانی نکالتا (اس لیے) اس نے اپنے موزے کو پانی سے بھرا اور اسے اپنے منہ میں تھام کر اوپر آ گیا اور کتے کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی

---

(۱) سنن الترمذی ٦/٢٢٤ (٣٩٥٥) وقال هذا حديث حسن، و (٣٩٥٦) وقال هذا حديث حسن صحيح۔

(۲) سنن الترمذی ٣/٤٨٣ (١٩٢٤) وقال هذا حديث حسن صحيح، وسنن ابی داود ٤/٢٨٥ (٤٩٤١)۔

اتنی قدر کی کہ اسے بخش دیا"۔ (۱)

⑬ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جب کسی شخص کو اپنے کسی بھائی سے محبت ہو جائے، تو اسے چاہیے کہ اسے بتا دے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں"۔ (۲)

⑭ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جس سے محبت ہو اس سے محبت اعتدال کے ساتھ کرو، ہوسکتا ہے کہ وہ کسی دن تمہارا مبغوض بن جائے اور جس سے تمہیں بغض اور نفرت ہو اس سے نفرت بھی اعتدال کے ساتھ کرو، ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دن تمہارا محبوب بن جائے"۔ (۳)

---

(۱) صحیح البخاری ۹/۸ (۶۰۰۹) وصحیح مسلم ۱۷٦۱/٤ (۲۲٤٤)۔

(۲) سنن ابی داود ۳۳۲/٤ (٥۱۲٤) وسنن الترمذی ۱۹۹/٤ (۲۳۹۲) وقال: حدیث المقدام حدیث حسن صحیح غریب۔

(۳) سنن الترمذی ٥۳۲/۳ (۱۹۹۷) وقال هذا حديث غريب لا نعرفه بهذا الاسناد إلا من هذا الوجه. والأدب المفرد للبخاری ص ٤٤٧ (۱۳۲۱) طبع دار البشائر الاسلامية۔ وقال الزبيدی فی "اتحاف السادة" ۲۳۳/٦: قال العراقي: رواه الترمذي من حديث أبي هريرة، وقال: غريب، قلت: رجاله رجال مسلم، لكن الراوي تردد في رفعه. (طبع موسسة التاريخ العربی).

⑮ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''مسلمانوں میں مکمل ترین ایمان اس شخص کا ہے جو زیادہ خوش اخلاق ہو اور اپنے گھر والوں کے ساتھ زیادہ نرمی اور مہربانی کا معاملہ کرتا ہو۔''(۱)

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱) سنن الترمذی ٤/٣٥٩ (٢٦١٢) وقال هذا حديث حسن۔

معاشرے کی اصلاح کیسے ہو؟

(اصلاحی خطبات ۳/۱۹۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاشرے کی اصلاح کیسے ہو؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ (۱)

اٰمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للّٰہ رب العالمین۔

عجیب وغریب آیت

یہ ایک عجیب وغریب آیت ہے، جو ہماری ایک بہت بڑی بیماری کی تشخیص کر رہی ہے اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ آیت ہماری دکھتی ہوئی رگ پکڑ رہی ہے، اللہ جل شانہ سے زیادہ کون انسان کی نفسیات اور اس کے مزاج اور اس کی بیماریوں کو پہچان سکتا ہے اور دوسرے یہ کہ اس آیت میں ہمارے ایک بہت بڑے سوال کا جواب بھی دیا گیا ہے، جو آج کل کثرت سے ہمارے دلوں میں پیدا ہو رہا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ کی کوششیں کیوں بے اثر ہیں؟

پہلے وہ سوال عرض کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس آیت کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آسکے گا۔ بعض اوقات ہمارے اور آپ کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج ہم دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ اصلاحِ حال اور اصلاحِ معاشرہ کی نہ جانے کتنی کوششیں مختلف جہتوں اور مختلف گوشوں سے ہو رہی ہیں، کتنی انجمنیں، کتنی جماعتیں، کتنی پارٹیاں، کتنے افراد، کتنے جلسے، کتنے جلوس، کتنے اجتماع

(۱) سورۃ المائدۃ آیت (۱۰۵)۔

ہوتے ہیں اور سب کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کا سدِ باب کیا جائے، معاشرے کو سیدھے راستے پر لایا جائے اور انسان کو انسان بنانے کی فکر کی جائے۔ ہر ایک کے اغراض و مقاصد میں اصلاحِ حال، اصلاحِ معاشرہ، فلاح و بہبود جیسی بڑی بڑی باتیں درج ہوتی ہیں اور بڑے بڑے دعوے ہوتے ہیں۔ ہر انجمن اور جماعت اسی کام پر لگی ہوئی ہیں اور جو ایسے افراد اس کام میں مصروف ہیں، اگر ان کو شمار کیا جائے تو شاید ہزاروں تک ان کی تعداد پہنچے گی۔ ہزاروں جماعتیں ہزاروں افراد اس کام پر لگے ہوئے ہیں، لیکن دوسری طرف اگر معاشرے کی عمومی حالت کو بازاروں میں نکل کر دیکھیں، دفتروں میں جا کر دیکھیں، جیتی جاگتی زندگی کو ذرا قریب سے دیکھنے کا موقع ملے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ساری کوششیں ایک طرف اور خرابی کا سیلاب ایک طرف، معاشرے پر اس اصلاح کا کوئی نمایاں اثر نظر نہیں آتا، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ زندگی کا پہیہ اسی طرح غلط راستے پر گھوم رہا ہے، اگر ترقی ہو رہی ہے تو برائی میں ہو رہی ہے اچھائی میں نہیں ہو رہی تو ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری کوششیں معاشرے کو بدلنے میں کیوں ناکام نظر آتی ہیں؟ اکا دکا مثالیں اپنی جگہ ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی اگر پورے معاشرے پر نظر ڈال کر دیکھا جائے تو کوئی بڑا فرق نظر نہیں آتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

بیماری کی تشخیص

اس سوال کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عطا فرمایا ہے اور ہماری ایک بیماری کی تشخیص بھی فرمادی ہے اور یہ وہ آیت ہے جو اکثر و بیشتر ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے۔ اس کے معنی بھی معلوم نہیں ہیں۔ مفہوم بھی

پیشِ نظر نہیں رہتا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۗ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کی خبر لو، اگر تم سیدھے راستے پر آگئے (تم نے ہدایت حاصل کر لی۔ صحیح راستہ اختیار کر لیا) تو جو لوگ گمراہ ہیں ان کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے، وہاں پر اللہ تعالیٰ تمہیں بتائیں گے کہ تم دنیا کے اندر کیا کرتے رہے ہو۔

اپنے حال سے غافل اور دوسروں کی فکر

اس آیت میں ہماری ایک بہت بنیادی بیماری یہ بتادی کہ یہ اصلاح کی کوششیں جو ناکام نظر آتی ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جب اصلاح کا جھنڈا لے کر کھڑا ہوتا ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اصلاح کا آغاز دوسرا شخص اپنے آپ سے کرے، یہ خود دوسروں کو بلا رہا ہے۔ دوسروں کو دعوت دے رہا ہے۔ دوسروں کو اصلاح کا پیغام دے رہا ہے، لیکن اپنے آپ سے اور اپنے حالات میں تبدیلی لانے سے غافل ہوتا ہے۔ آج ہم سب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیں کہ مختلف محفلوں اور مجلسوں میں ہمارا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ ہم معاشرے کی برائیوں کا تذکرہ مزے لے لے کر کرتے ہیں

''سب لوگ تو یوں کر رہے ہیں، لوگوں کا تو یہ حال ہے، معاشرہ تو اس درجے خراب ہو گیا ہے، فلاں کو میں نے دیکھا وہ یوں کر رہا تھا''۔ سب سے آسان کام اس بگڑے ہوئے معاشرے میں یہ ہے کہ دوسروں پر انسان اعتراض کر دے، تنقید کر دے، دوسروں کے عیب بیان کر دے کہ لوگ تو یوں کر رہے ہیں اور معاشرے کے اندر یہ ہو رہا ہے، شاید ہی ہماری کوئی محفل اور کوئی مجلس اس تذکرے سے خالی ہوتی ہو، لیکن کبھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر یہ دیکھنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ خود میں کتنا بگڑ گیا ہوں، خود میرے حالات کتنے خراب ہیں خود میرا طرزِ عمل کتنا غلط ہے، اس کی کتنی اصلاح کی ضرورت ہے۔ بس دوسروں پر تنقید کا سلسلہ جاری رہتا ہے، دوسروں کی عیب جوئی جاری رہتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری گفتگو لطفِ سخن کے لیے، مجلس آرائی کے لیے، مزہ لینے کے لیے ہو کر رہ جاتی ہے، اس کے نتیجے میں اصلاح کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھتا۔

سب سے زیادہ برباد شخص

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا عجیب ارشاد ہے ہم لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے فرمایا کہ

''مَنْ قَالَ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ مِنْ أَهْلَكَهُمْ'' (۱)

جو شخص یہ کہے کہ ساری دنیا تباہ و برباد ہوگئی (یعنی دوسروں پر

(۱) صحیح مسلم ۲۰۲٤/٤ (۲٦۲۳) و سنن ابی داود ۲۹٦/٤ (٤۹۸۳) اور مذکورہ الفاظ مسند ابی داود الطیالسی ۷۳۹/۲ (۲٥٦۰) طبع دار الکتب العلمیة۔ و مسند ابن الجعد ص ٤۸۳ (۳۳٥٥) طبع موسسہ نادر بیروت کے ہیں۔ از مرتب۔

اعتراض کر رہا ہے کہ وہ بگڑ گئے ان کے اندر بے دینی آگئی، ان کے اندر بے راہ روی آگئی، وہ بدعنوانیوں کا ارتکاب کرنے لگے) تو سب سے زیادہ برباد خود وہ شخص ہے۔

بیمار شخص کو دوسرے کی بیماری کی فکر کہاں؟

جس شخص کے اپنے پیٹ میں درد ہو رہا ہو، مروڑ اٹھ رہے ہوں، چین نہ آ رہا ہو، وہ دوسروں کی چھینکوں کی کیا پرواہ کرے گا کہ دوسرے کو چھینکیں آ رہی ہیں، نزلہ ہو رہا ہے۔ خدا نہ کرے، اگر میرے پیٹ میں شدید درد ہے، تو مجھے اپنی فکر ہوگی، اپنی جان کی فکر ہوگی، اپنے درد کو دور کرنے کی فکر ہوگی، اپنی تکلیف مٹانے کی فکر ہوگی، دوسرے کی بیماری اور دوسرے کی معمولی تکلیف کی طرف دھیان بھی نہیں جائے گا، بلکہ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر اپنی تکلیف معمولی ہے اور دوسرے کی تکلیف بہت زیادہ ہے اس کے باوجود اپنی تکلیف کا خیال اتنا چھایا ہوا ہوتا ہے کہ دوسرے کی بڑھی ہوئی تکلیف بھی نظر نہیں آتی۔

لیکن اس کے پیٹ میں تو درد نہیں

میری ایک عزیزہ خاتون تھی ان کے پیٹ میں تکلیف تھی اور وہ تکلیف ایسی تشویش ناک نہیں تھی، ان کو ڈاکٹر کے پاس دکھانے کے لیے کسی ہسپتال میں لے گیا، تو لفٹ (lift) میں جاتے ہوئے دیکھا کہ ایک خاتون رواں کرسی (wheel chair) پر سوار آئیں۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں سب ٹوٹے ہوئے تھے اور اس پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا اور سینہ جلا ہوا تھا اور اس کی بری حالت تھی،

میں نے اپنی عزیزہ خاتون کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ دیکھیے کہ یہ عورت کتنی سخت پریشانی اور کتنی سخت تکلیف میں ہے، اس کو دیکھنے سے آدمی کو اپنی تکلیف کی کمی کا احساس ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر زبان پر جاری ہوتا ہے تو جواب میں وہ خاتون کہتی ہیں کہ واقعی اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے ہیں، مگر کم از کم اس کے پیٹ میں تو درد نہیں ہو رہا ہے، تو ان کے ذہن میں سب سے بڑی تکلیف یہ تھی کہ میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے، اس کی جلی ہوئی کھال اور ٹوٹے ہوئے ہاتھ پاؤں دیکھ کر بھی ان کو اپنی تکلیف کا خیال نہیں جا رہا تھا، اس لیے کہ اپنی تکلیف اور بیماری کا احساس ہے، لیکن جس شخص کو اپنی تکلیف اور بیماری کا احساس نہیں ہوتا تو وہ دوسرے کی معمولی معمولی تکلیفوں کو دیکھتا پھرتا ہے، تو ہماری ایک بہت بڑی بیماری یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کی فکر سے غافل ہیں اور دوسروں پر اعتراض اور تنقید کرنے کے لیے ہم لوگ ہر وقت تیار ہیں۔

بیماری کا علاج

اللہ جل جلالہ اس آیت کے اندر فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! پہلے اپنے آپ کی فکر کرو اور یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ فلاں شخص گمراہ ہوگیا، فلاں شخص تباہ و برباد ہوگیا تو یاد رکھو کہ اگر تم سیدھے راستے پر آگئے تو اس کی گمراہی تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی، ہر انسان کے ساتھ اس کا اپنا عمل جائے گا، لہٰذا اپنی فکر کرو، تم سب اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ وہاں وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے تھے، تمہارا عمل زیادہ بہتر تھا یا دوسرے کا عمل زیادہ بہتر تھا، کیا معلوم کہ جس پر اعتراض کر رہے ہو جس کے عیب تلاش کر رہے ہو اس کی کوئی ادا، اس کا کوئی فعل اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اتنا مقبول ہو کہ وہ تم سے آگے

نکل جائے۔ بہرحال! یہ صرف لطفِ سخن کے لیے اور مجلس آرائی کے لیے ہم لوگ جو باتیں کرتے ہیں وہ اصلاح کا راستہ نہیں۔

خود احتسابی کی مجلس

ہاں! اگر کسی جگہ محفل ہی اسی کام کے لیے منعقد ہو کہ اس میں اس بات کا تذکرہ ہو کہ ہم لوگوں میں کیا کیا خرابیاں پائی جاتی ہیں اور لوگ اس نیت سے اس محفل میں شریک ہوں کہ ان باتوں کو سنیں گے اور سمجھیں گے اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں گے، تو پھر ایسی محفل منعقد کرنا درست ہے۔

انسان کا سب سے پہلا کام

انسان کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے شب و روز کا جائزہ لے اور پھر یہ دیکھے کہ میں کتنا کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کر رہا ہوں اور کتنا کام اس کے خلاف کر رہا ہوں، اگر اس کے خلاف کر رہا ہوں تو اس کی اصلاح کا کیا راستہ ہے؟ اللہ تعالیٰ یہ فکر ہمارے اور آپ کے دلوں میں پیدا فرمادے تو ہمارے معاشرے کی اصلاح بھی ہو جائیگی۔

معاشرہ کیا ہے؟

معاشرہ کس چیز کا نام ہے؟ انہیں افراد کا مجموعہ معاشرہ بن جاتا ہے، اگر ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہو جائے تو سارا معاشرہ خود بخود سدھر جائے، لیکن اگر ہر شخص دوسرے کی فکر کرتا رہے اور اپنے کو چھوڑتا رہے تو سارا معاشرہ خراب ہی رہے گا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات کو دیکھیں گے تو یہ نظر آئے گا ہر شخص اس فکر میں تھا کہ کسی طرح میں درست ہو جاؤں، کسی طرح میں اپنی بیماریوں کو دور کرلوں، چنانچہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جو مشہور صحابی ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ہو کر اور آپ کی باتیں سن کر دلوں پر کیا اثر ہوتا ہوگا۔ کیسی رقت طاری ہوتی ہوگی، کیسا جذبہ پیدا ہوتا ہوگا؟ ایک دن مضطربانہ چیختے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر عرض کیا:

یارسول اللہ! نافق حنظلة

یارسول اللہ حنظلہ تو منافق ہوگیا۔

یعنی اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ میں منافق ہوگیا، آپ نے ان سے پوچھا کہ کیسے منافق ہو گئے؟ کہا: یارسول اللہ! جب تک آپ کی مجلس میں بیٹھتا ہوں آپ کی بات سنتا ہوں تو دل پر بڑا اثر ہوتا ہے اور حالات بہتر کرنے کی طرف توجہ ہوتی ہے، لیکن جب باہر نکلتا ہوں اور دنیا کے کاموں کے اندر لگتا ہوں تو وہ جذبہ جو آپ کی مجلس میں بیٹھ کر پیدا ہوا تھا وہ ختم ہو جاتا ہے، یہ منافق کا کام ہے کہ ظاہر حالات کچھ ہوں اور اندر کچھ ہوں، اس لیے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہوگیا۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دی کہ حنظلہ! تم منافق نہیں ہوئے، بلکہ (ساعة فساعة) یہ گھڑی گھڑی کی بات ہوتی ہے، ہر وقت دل کی کیفیت ایک جیسی نہیں رہتی، کسی وقت جذبہ زیادہ ہوتا ہے کسی وقت کم ہوتا ہے، اس سے یہ سمجھنا کہ میں منافق ہوگیا کوئی صحیح بات نہیں ہے[(۱)]۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے دل میں اپنے بارے میں تو یہ خیال پیدا ہوا کہ میں منافق ہوگیا، لیکن آپ نے کسی دوسرے کو منافق نہیں کہا، خود احتسابی سے اپنے آپ کو منافق تصور کر کے بے قرار ہو گئے کہ اپنی فکر ہے، یہ فکر ہے کہ کہیں میرے اندر تو نفاق نہیں آگیا ہے؟

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بہت سے راز بتلا رکھے تھے، آپ ہی کو راز داری سے منافقین کی پوری فہرست بھی بتا رکھی تھی کہ مدینہ شریف میں فلاں فلاں شخص منافق ہے اور اس درجہ وثوق سے بتا رکھی تھی کہ جب مدینہ طیبہ میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ دیکھتے تھے کہ اس نماز جنازہ میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ شامل ہیں یا نہیں؟ اگر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ شامل ہیں تو یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ شخص مومن تھا اور اگر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اس کے جنازہ میں شامل نہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ اندازہ کیا کرتے تھے کہ شاید یہ شخص منافق ہے، اگر مومن ہو

---

(۱) صحیح مسلم ۲۱۰۶/۱ (۲۷۵۰)۔

تا تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ضرور شامل ہوتے(۱)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خشیت

کتب میں آتا ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جب کہ خلیفہ بن چکے ہیں اور آدھی سے زیادہ دنیا پر حکومت ہے اور جن کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ جب دیکھو غلط کار لوگوں کی اصلاح کے لیے درہ لیے پھر رہے ہیں، انتظام کا رعب اور دبدبہ ہے، لیکن اسی عالم میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے خوشامد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لیے مجھے یہ بتادو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں منافقین کی جو فہرست بتائی ہے۔ اس میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام تو نہیں ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہورہا ہے کہ کہیں میرا نام تو اس فہرست میں شامل نہیں؟ کہیں میں منافقین میں شامل تو نہیں؟(۲)

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ ہر ایک کو یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ میرا کوئی فعل، میرا کوئی عمل، میرا کوئی قول، میری کوئی ادا اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف تو نہیں ہے اور جب یہ فکر لگی ہوئی ہے تو اب جب وہ کسی دوسرے سے کوئی اصلاح کی بات کہتے ہیں تو وہ بات دل پر اثر انداز ہوتی ہے، اس سے زندگیاں بدلتی ہیں، اس سے انقلاب آتے ہیں اور انقلاب برپا کر کے دنیا کو دکھا بھی دیا۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے مشہور واعظ تھے، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے ایک ایک وعظ میں سینکڑوں

(۱) الاستیعاب فی معرفة الاصحاب لابن عبدالبر ۲۳۴/۱-۲۳۵ طبع دار الجیل بیروت۔
(۲) البدایة والنهایة ۱۸۴/۷ طبع دار ہجر۔

آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی ہے[1]۔ بس ایک وعظ کہہ دیا اور سب کا دل کھینچ لیا اور بات یہ نہیں تھی کہ ان کی تقریر بہت جوشیلی ہوتی تھی یا بڑی فصیح وبلیغ ہوتی تھی، بلکہ بات دراصل یہ تھی کہ دل سے اٹھتا ہوا جذبہ جب زبان سے باہر نکلتا ہے تو وہ دوسرے کے دل پر اثر ڈالتا ہے۔

ہمارا حال

ہماری یہ حالت ہے کہ میں آپ کو ایک بات کی نصیحت کررہا ہوں اور خود میرا عمل اس پر نہیں ہے، اس لیے اولاً تو اس بات کا اثر نہ ہوگا اور اگر اس بات کا اثر ہو بھی گیا تو سننے والا جب یہ دیکھے گا کہ یہ خود تو اس کام کو نہیں کررہے ہیں اور ہمیں نصیحت کررہے ہیں، اگر یہ کوئی اچھا کام ہوتا تو پہلے یہ خود عمل کرتے۔ اس طرح وہ بات ہوا میں اڑ جاتی ہے اور اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت نے جو انقلاب برپا کیا اور صرف ۲۳ سال کی مدت میں پورے جزیرہ عرب کی کایا پلٹ دی، بلکہ پوری دنیا کی کایا پلٹ دی۔ یہ انقلاب اس لیے آیا کہ آپ نے جس بات کا امت کو کرنے کا حکم دیا پہلے خود اس بات پر اس سے زیادہ عمل کیا۔ مثلاً ہمیں اور آپ کو حکم دیا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو، لیکن خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ وقت کی نماز پڑھا کرتے تھے، یعنی پانچ نمازوں کے علاوہ اشراق چاشت اور تہجد بھی پڑھا کرتے تھے، بلکہ آپ کی یہ حالت تھی کہ

---

(۱) ذیل طبقات الحنابلة لابن رجب ۴۸۰/۲ طبع مکتبة العبیکان۔

"اذا حزبه امر صلی"(۱)

یعنی جب آپ ﷺ کو کسی کام کی پریشانی پیش آتی تو آپ ﷺ فوراً نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے دعا کرتے۔

اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ

"جعلت قرة عینی فی الصلاة"(۲)

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا روزہ

اسی طرح دوسروں کو پورے سال میں ایک ماہ یعنی رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کا حکم دیا، لیکن آپ کا خود معمول یہ تھا کہ پورے سال میں کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا تھا، جس میں کم از کم تین روزے آپ نہ رکھتے ہوں اور بعض اوقات تین سے زیادہ بھی رکھتے تھے(۳) اور دوسروں کو تو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ جب افطار کا وقت آجائے تو فوراً افطار کرلو اور دو روزوں کو ایک ساتھ جمع کرنے کو ناجائز قرار دیا۔

---

(۱) سنن ابی داود ۳۵/۲ (۱۳۱۹) والحدیث سکت عنه ابو داود وقال للمنذری فی "مختصره" ۴۱۷/۱ (۱۲۷٤): وذکر بعضهم انه روی مرسلا۔ (طبع دار الکتب العلمیة) ومسند احمد ۳۳۰/۳۸ (۲۳۲۹۹)۔

(۲) سنن النسائی ۶۱/۷ (۳۹۳۹--۳۹٤۰) والحدیث ذکره ابن المقلن فی "البد المنیر" ۵۰۱/۱ وقال: كل رجال هؤلاء في الصحيحين إلا سلام بن سليمان المزني، قارئ البصرة، فأخرج عنه الترمذي والنسائي. وقال أبو حاتم: صالح الحديث. فهو إسناد صحيح. طبع دار الهجرة للنشر والتوزيع۔ الرياض۔

(۳) فی صحیح مسلم ۸۱۸/۲ (۱۱۶۰) عن معاذة العدوية أنها سألت عائشة زوج النبي ﷺ أكان رسول الله ﷺ وسلم يصوم من كل شهر ثلاثة أيام؟ =

صوم وصال کی ممانعت

چنانچہ بعض صحابہ کرام کو آپ نے دیکھا کہ وہ اس طرح دو روزے ملا کر رکھ رہے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو منع فرمادیا کہ تمہارے لیے اس طرح ملا کر روزے رکھنا جائز نہیں ہے، بلکہ حرام ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود ''صومِ وصال'' رکھتے اور یہ فرماتے کہ تم اپنے آپ کو مجھ پر قیاس نہ کرو اس لیے کہ میرا پروردگار مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے، یعنی تمہارے اندر اس روزے کی طاقت نہیں ہے، میرے اندر طاقت ہے اس لیے میں رکھتا ہوں، گویا کہ دوسروں کے لیے آسانی اور سہولت کا راستہ بتادیا کہ افطار کے وقت خوب کھاؤ، پیو اور رات بھر کھانے کی اجازت ہے[1]۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور زکوٰۃ

ہمیں اور آپ کو تو یہ حکم دیا کہ اپنے مال کا چالیسواں حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دو، زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، لیکن آپ کا یہ حال تھا کہ جتنا مال آرہا ہے سب صدقہ ہورہا ہے۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیرتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تیزی سے کھڑے ہوگئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے حجرہ تشریف لے گئے، اس کیفیت کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے،

= قالت: نعم. وفی صحیح ابن خزیمة ۲۸۲/۳ (۲۰۷۸) ما کان رسول اللہ ﷺ یصوم من کل اشهر السنة اکثر من صیامه من شعبان کان یصوم کله. (طبع المکتب الاسلامی بیروت).

(۱) صحیح البخاری ۳۷/۳ (۱۹۶۳) وسنن الترمذی ۱۳۹/۲ (۷۷۸)۔

تھوڑی دیر میں آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور فرمایا مجھے کچھ سونا یاد آ گیا تھا جو ہمارے پاس رکھا ہوا تھا، میں نے اس بات کو گوارہ نہیں کیا کہ وہ مجھے خدا کی یاد سے غافل کر دے، لہٰذا میں نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دے دیا(۱)۔

اللہ کے محبوب نے خندق بھی کھودی

غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کھودی جا رہی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھودنے میں لگے ہیں، لیکن یہ نہیں تھا کہ دوسرے لوگ تو خندق کھودیں اور خود امیر ہونے کی وجہ سے آرام سے بستر پر سو جائیں، بلکہ وہاں یہ حال تھا کہ دوسروں کو جتنا حصہ کھودنے کے لیے ملا تھا اتنا حصہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے لیے بھی مقرر فرمایا، ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں جب خندق کھودی جا رہی تھی، مشقت کا وقت تھا اور کھانے پینے کا کما حقہ انتظام نہیں تھا اور میں بھوک سے بیتاب ہو رہا تھا تو بھوک کی شدت کی وجہ سے میں نے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھ لیا تھا(۲)۔

پیٹ پر پتھر باندھنا

پیٹ پر پتھر باندھنے کا محاورہ ہم نے اور آپ نے بہت سنا ہے، لیکن کبھی دیکھا نہیں اور اللہ نہ دکھائے آمین، لیکن جس پر یہ حالت گزری ہو وہ جانتا ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پیٹ پر پتھر باندھنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ اور پتھر

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۷۰ (۸۵۱)۔

(۲) صحیح البخاری ۵/۱۰۸ (۴۱۰۱-۴۱۰۲)۔

باندھنے سے کس طرح بھوک مٹتی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ جب بھوک کی شدت ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے انسان کو اتنی کمزوری لاحق ہوجاتی ہے کہ وہ کچھ کام نہیں کرسکتا اور پتھر باندھنے سے پیٹ پر ذرا ثقل ہوجاتا ہے اس کی وجہ سے آدمی میں کھڑا ہونے کی طاقت آجاتی ہے ورنہ وہ کمزوری کی وجہ سے کھڑا بھی نہیں ہوسکتا۔

تاجدارِ مدینہ کے پیٹ پر دو پتھر تھے

بہرحال! تو ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ شدت بھوک کی وجہ سے میں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا تھا، اور اسی حالت میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا ہے تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیٹ پر سے قمیص اٹھا دی اور میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں (1)۔

یہ ہے وہ چیز کہ جس بات کی تعلیم دی جارہی ہے جس بات کی تبلیغ کی جارہی ہے جس بات کا حکم دیا جارہا ہے پہلے خود اس پر اس سے زیادہ عمل کرکے دکھادیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مشقت اٹھانا

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی خواتین کی سردار ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

(۱) ملاحظہ ہو سنن الترمذی ۱۸۲/٤ (۲۳۷۱) وقال هذا حديث غريب، والحديث ذكره ابن الملقن في "الإعلام" ٣٢٤/٥ وقال: بإسناد صحيح.

خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اور اپنے ہاتھ مبارک دکھا کر عرض کرتی ہیں کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیس پیس کر گٹے پڑ گئے ہیں اور پانی کی مشک ڈھوڈھو کر سینے پر نیل آگئے ہیں۔ یا رسول اللہ! خیبر کی فتح کے بعد سارے مسلمانوں کے درمیان غلام اور کنیزیں تقسیم ہوئی ہیں جو ان کے گھروں کا کام کرتی ہیں لہٰذا کوئی خدمت گار کنیز مجھے بھی عطا فرما دیجیے۔

اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کوئی کنیز خدمت کے لیے مل جاتی تو اس کی وجہ سے آسمان نہ ٹوٹتا، لیکن جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ جب تک سارے مسلمانوں کا انتظام نہیں ہوجاتا اس وقت تک محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے گھر والوں کے لیے کوئی غلام اور کنیز نہیں آئے گی، میں تمہیں اس مشقت کے عوض غلام اور کنیز سے بہتر نسخہ بتاتا ہوں اور پھر فرمایا کہ بستر پر جاتے وقت سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھا کرو[1] اور بعض روایات میں ہے کہ نماز کے بعد دس دس مرتبہ پڑھنے کی تلقین فرمائی[2]۔

اس وجہ سے اس کو ''تسبیحِ فاطمی'' کہا جاتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس کی تلقین فرمائی تھی، لہٰذا دوسروں کے ساتھ تو معاملہ یہ ہے کہ غلام تقسیم ہو رہے ہیں کنیزیں تقسیم ہو رہی ہیں اور پیسے بھی تقسیم ہو رہے ہیں اور خود اپنے گھر میں یہ حالت ہے۔ فرض نمازوں کے بعد ان تسبیحات کو پڑھنے

---

(۱) صحیح البخاری ۸۴/٤ (۳۱۱۳) و صحیح مسلم ۲۰۹۱/٤ (۲۷۲۷-۲۷۲۸)۔

(۲) مسند احمد ۲۰۲/۲ (۸۳۸) و قال المنذری فی ''الترغیب'' ۲۹۷/۲: واسنادہ جید و رواتہ ثقات۔

کی بھی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔ (۱)

لہٰذا جب یہ صورت ہوتی ہے کہ خود کہنے والا دوسروں سے زیادہ عمل کرتا ہے تو اس کی بات میں تاثیر ہوتی ہے اور وہ بات پھر دل پر اثر انداز ہوتی ہے وہ انسانوں کی دنیا بدل دیتی ہے ان کی زندگیوں میں انقلابات لاتی ہے اور انقلاب لائی، چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔

۳۰ شعبان کو نفلی روزہ رکھنا

تیس شعبان کا جو دن ہوتا ہے اس میں حکم یہ ہے کہ اس دن روزہ نہ رکھا جائے۔ بعض لوگ اس خیال سے روزہ رکھ لیتے ہیں کہ شاید آج رمضان کا دن ہو، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ رمضان کا چاند ہو چکا ہو، لیکن ہمیں نظر نہ آیا ہو اس لیے احتیاط کے طور پر لوگ شعبان کی ۳۰ تاریخ کا روزہ رکھ لیتے ہیں، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاطِ رمضان کے طور پر تیس شعبان کو روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، لیکن یہ روزہ نہ رکھنے کا حکم اس شخص کے لیے ہے جو صرف احتیاط رمضان کی غرض سے روزہ رکھ رہا ہو، البتہ جو شخص عام نفلی روزے رکھتا چلا آرہا ہے اور وہ اگر ۳۰ شعبان کو بھی روزہ رکھ لے اور احتیاطِ رمضان کی نیت اور خیال دل میں نہ تو اس کے لیے جائز ہے۔ (۲)

---

(۱) صحیح مسلم ۱/۴۱۶(۵۹۵)۔

(۲) سنن ابی داود ۲/۳۰۰(۲۳۳۴) وسنن الترمذی ۲/۶۵(۶۸۶) کلاھما من حدیث عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، وقال حدیث حسن صحیح، وسنن ابن ماجہ ۳/۱۵۰ (۱۶۴۶) من حدیث أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ، وقال البوصیری فی "مصباح الزجاجۃ" ھذا اسناد =

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ۳۰ شعبان کے دن خود روزے سے ہوتے تھے اور پورے شہر میں منادی کرتے ہوئے پھرتے تھے کہ آج کے دن کوئی شخص روزہ نہ رکھے اس لیے کہ عام لوگوں کے بارے میں یہ خطرہ تھا کہ اگر وہ اس دن روزہ رکھیں گے تو احتیاطِ رمضان کا خیال ان کے دل میں آجائے گا اور روزہ رکھنا گناہ ہوگا۔ اس لیے سختی سے منع فرمادیا(۱)۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ جن کے ہم اور آپ نام لیوا ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ آپ کو لوگوں کے لیے فتویٰ کے اندر آسانی پیدا کرنے کی ہر وقت فکر رہتی تھی، تاکہ لوگوں کو مشکلات نہ ہو، جتنا ہوسکے آسانی پیدا کی جائے، آج کل بازاروں میں پھلوں کی جو خرید و فروخت ہوتی ہے، آپ حضرات جانتے ہوں گے کہ آج کل یہ ہوتا ہے کہ ابھی درخت پر پھول بھی نہیں آتا کہ پوری فصل فروخت کردی جاتی ہے اور اس طرح پھل کے آئے بغیر اس کو بیچنا شرعاً جائز نہیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے منع فرماتے تھے کہ جب تک پھل ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک بیچنا جائز نہیں (۲)۔ اس شرعی حکم کی وجہ سے بعض علماء نے یہ

= ضعیف (طبع دار العربیة) والمعجم الأوسط للطبرانی ۱۳٤/۲ (۲۷۱۳) من حدیث عائشه رضی اللہ عنہا.

(۱) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ٦٥٠ طبع دار الکتب العلمیة۔

(۲) صحیح البخاری ۷۷/۳ (۲۱۹٤) وصحیح مسلم ۱۱٦٥/۳ (۱۵۳۵)۔

فتویٰ دیا ہے کہ بازاروں میں جو پھل فروخت ہوتے ہیں ان کی خرید وفروخت چونکہ اسی طریقے پر ہوتی ہے اس لیے ان پھلوں کو خرید کر کھانا جائز نہیں، لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان پھلوں کو کھانے کی گنجائش ہے، البتہ خود ہمیشہ احتیاط کی اور ساری عمر بازار سے پھل لے کر نہیں کھایا اور دوسروں کو کھانے کی اجازت دے دی۔ یہ اللہ کے بندے ہیں جس چیز کی دوسروں کو تلقین کرتے ہیں اس سے زیادہ خود اس پر عمل کرتے ہیں، تب ان کی بات میں اثر پیدا ہوتا ہے۔

معاشرہ کی اصلاح کا راستہ

لہٰذا ہمارے اندر خرابی یہ ہے کہ اصلاح کا جو پروگرام شروع ہوگا، جو جماعت قائم ہوگی، جو انجمن کھڑی ہوگی، جو آدمی کھڑا ہوگا، اس کے دماغ میں یہ بات ہوگی کہ یہ سب لوگ خراب ہیں ان کی اصلاح کرنی ہے اور اپنی خرابی کی طرف دھیان اور فکر نہیں اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۵ (۱)

اے ایمان والوں! اپنی خبر لو، اگر تم سیدھے راستے پر آجاؤ تو گمراہ ہونے والے اور غلط راستے پر جانے والے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

---

(۱) سورۃ المائدۃ آیت (۱۰۵)۔

لہٰذا مجلس آرائی کے طور پر اور محض برسبیل تذکرہ دوسروں کی برائیاں بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، اپنی فکر کرو اور اپنی جتنی اصلاح کر سکتے ہو، وہ کرلو، واقعہ یہ ہے کہ معاشرے کی اصلاح کا راستہ بھی یہی ہے اس لیے معاشرہ کس کا نام ہے؟ میرا، آپ کا اور افراد کے مجموعے کا نام معاشرہ ہے، اب اگر ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر کرلے کہ میں ٹھیک ہوجاؤں تو رفتہ رفتہ سارا معاشرہ ٹھیک ہوجائے گا، لیکن اگر معاملہ یہ رہا کہ میں تمہارے اوپر تنقید کروں اور تم میرے اوپر تنقید کرو، میں تمہاری برائی بیان کروں اور تم میری برائی بیان کرو، پھر تو اس طرح معاشرے کی حالت کبھی درست نہیں ہوسکتی، بلکہ اپنی فکر کرو، تم دیکھ رہے ہو کہ دنیا جھوٹ بول رہی ہے، لیکن تم نہ بولو، دوسرے لوگ رشوت لے رہے ہیں، تم رشوت نہ لو، دوسرے لوگ سود کھارہے ہیں، تم سود نہ کھاؤ، دوسرے لوگ دھوکہ دے رہے ہیں، تم دھوکہ نہ دو، دوسرے لوگ حرام کھارہے ہیں تم نہ کھاؤ، لیکن اس کے تو کوئی معنی نہیں ہیں کہ مجلس کے اندر تو کہہ دو کہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں اور پھر خود بھی صبح سے شام تک جھوٹ بول رہے ہو، یہ طریقہ درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس فکر کو ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے کہ ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر ہوجائے۔

اپنا فرض ادا کرو

البتہ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ جس جگہ نیکی کی بات پہنچانا ضروری ہے وہاں نیکی کی بات پہنچائے اور اپنا فرض ادا کرے، اس کے بغیر وہ ہدایت یافتہ نہیں کہلا سکتا، نہ اس کے بغیر اصلاح کا فریضہ مکمل ہوتا ہے۔ یہی بات سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک

حدیث میں واضح فرمادی ہے حدیث یہ ہے:

عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ۚ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ وانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: «اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ یَاْخُذُوا عَلٰی یَدَیْهِ اَوْشَکَ اَنْ یَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ»(۱)

آیت سے غلط فہمی

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں آپ نے قرآنِ کریم کی اس آیت کی صحیح تشریح نہ سمجھنے پر لوگوں کو تنبیہ فرمائی اور اس آیت کی تشریح میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ارشاد فرمائی جس سے اس آیت کے صحیح مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ بعض لوگ اس آیت کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اپنی خبر لو اپنی اصلاح کی فکر کرو بس۔ اب ہمارے ذمے تو اپنی اصلاح کی فکر واجب ہے۔ اگر کسی دوسرے کو غلط کام کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں تو اس کو ٹوکنا، اس کی اصلاح کی فکر کرنا ہمارے ذمے ضروری نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں کہ

(۱) سنن الترمذی ۱۴۵/۵ (۳۰۵۷) وقال ھذا حدیث حسن صحیح، وسنن أبی داود ۱۲۲/٤ (٤٣٣٨) وسنن ابن ماجه ٤٨١/٥ (٤٠٠٥) والسنن الکبری للنسائی ۸۸/۱۰ (۱۱۰۹۲) طبع مؤسسة الرسالة، والحدیث ذکره النووی فی "ریاض الصالحین" ص ۸٦ (۱۹۷) وقال رواه أبو داود والترمذی والنسائی بأسانید صحیحة، طبع دار ابن کثیر۔

اس آیت کا یہ مطلب لینا غلط فہمی ہے، اس لیے کہ اگر لوگ یہ دیکھیں کہ ایک ظالم کسی دوسرے پر ظلم کر رہا ہے، لیکن وہ لوگ اس ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو ظلم سے نہ روکیں تو ان حالات میں قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے تمام افراد پر اپنا عذاب نازل فرمادیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ فرمارہے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ تمہارے سامنے ظالم ظلم کر رہا ہے اور مظلوم پٹ رہا ہے اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی طاقت تمہارے اندر موجود ہے، لیکن اس کے باوجود تم نے یہ سوچا کہ اگر یہ ظلم کر رہا ہے یا غلط کام کر رہا ہے تو یہ اس کا اپنا ذاتی عمل ہے، میں تو ظلم نہیں کر رہا ہوں۔ لہٰذا مجھے اس کے اس فعل میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے اور مجھے ان سے الگ رہنا چاہیے اور وہ اپنے اس طرزِ عمل پر اس آیت سے استدلال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمادیا کہ اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ اگر دوسرا شخص غلط کام کر رہا ہے تو اس کی غلط کاری تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اس آیت سے یہ مطلب نکالنا بالکل غلط ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اگر ظالم کو ظلم سے روکنے کی قدرت اور طاقت تمہارے اندر ہو تو تم ضرور اس کو ظلم سے روک دو۔

آیت کی صحیح تشریح وتفسیر

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں یہ جو فرمایا کہ ''کسی کی غلط کاری تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی، بشرطیکہ تم اپنی اصلاح کی فکر کرلو''۔ اس میں اصل بات یہ ہے کہ

ایک شخص اپنی استطاعت کے مطابق اور اپنی طاقت کے مطابق امر بالمعروف کا فریضہ ادا کر چکا ہے، لیکن اس کے باوجود دوسرا شخص اس کی بات نہیں مانتا تو تمہارے اوپر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اب اس کی غلط کاری تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی، اب تم اپنی فکر کرو اور اپنے حالات کو درست رکھو، ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تم سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

اولاد کی اصلاح کب تک

مثلاً اولاد ہے، اولاد کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر والدین یہ دیکھ رہے ہیں کہ اولاد غلط راستے پر جارہی ہے تو ان کا فرض ہے کہ وہ اس کو روکیں اور اسے غلط کاری سے بچائیں، جیسا کہ قرآنِ کریم نے فرمایا کہ

> ''تم اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ''۔(۱)

والدین کے ذمے یہ فرض ہے، لیکن ایک شخص نے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں، لیکن اولاد نے بات نہ مانی، تو اس صورت میں ان شاء اللہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں معذور ہوگا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی آخر وقت تک اسلام نہیں لایا اور حضرت نوح علیہ السلام نے اس کو سمجھایا، اس کو تبلیغ کی، دعوت دی اور ان سے زیادہ کون حق تبلیغ ادا کرے گا، لیکن اس کے باوجود آخر وقت تک وہ اسلام نہ لایا، اب اس کا مواخذہ حضرت نوح علیہ السلام سے نہیں ہوگا۔

ایک شخص کا دوست غلط راستے پر جارہا ہے، غلط کاموں میں مبتلا ہے اور یہ

---

(۱) سورۃ التحریم آیت (٦)۔

شخص اپنی استطاعت کے مطابق اپنے دوست کو پیار و محبت سے ہر طرح سے اس کو سمجھاتا رہا اور سمجھا سمجھا کر تھک گیا، لیکن وہ دوست غلط کاموں سے باز نہیں آیا، تو اب اس کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوگی۔

تم اپنے آپ کو مت بھولو

آگے علامہ نووی رحمہ اللہ (۱) نے ایک آیت نقل کی ہے کہ

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم دوسروں کو نیکی کی نصیحت کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو یعنی تم تورات کے عالم ہو جس کی وجہ سے لوگ تمہاری طرف رجوع کرتے ہیں، یہ حکم اگرچہ یہودیوں کے لیے تھا، لیکن مسلمانوں کے لیے بطریقِ اولیٰ ہوگا کہ جو شخص دوسروں کو نصیحت کر رہا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ اس نصیحت کو پہلے اپنے اوپر لاگو کرے۔

یہ مسئلہ تو میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ تبلیغ کے بارے میں حکم یہ نہیں کہ جو شخص برائی میں مبتلا ہے وہ تبلیغ نہ کرے اور دوسروں کو نصیحت نہ کرے، بلکہ حکم یہ ہے کہ نصیحت کرے، لیکن نصیحت کرنے کے بعد یہ سوچے کہ میں جب دوسروں کو

---

(۱) رياض الصالحين ص ٨٦، باب تغليظ عقوبة من أمر بالمعروف أو نهى عن المنكر وخالف قوله فعله.

(۲) سورة البقرة آيت (٤٤)۔

نصیحت کر رہا ہوں تو خود بھی اس پر عمل کروں اور اپنے آپ کو نہ بھولے اور یہ نہ سمجھے کہ یہ نصیحت دوسروں کے لیے ہے، بلکہ یہ سوچے کہ یہ نصیحت میرے لیے بھی ہے اور مجھے بھی اس پر عمل کرنا ہے۔

مقررین اور واعظین کے لیے خطرناک بات

اس آیت کے بعد علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث [1] نقل کی ہے کہ جس میں بڑی خطرناک بات ارشاد فرمائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا مصداق بننے سے ہم سب کو بچائے۔ آمین۔ فرمایا کہ

عن اسامة بن زيد بن حارثة رضي الله عنهما قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: «يُؤْتَى بِالرَّجُلِ فيلقى فى النَّارِ فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُ بطْنِهِ فَيَدُورُ كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ فى الرحا، فيجتمع اليه أَهلُ النَّارِ فَيَقُولُونَ: يَا فُلَانُ مَالَكَ؟ أَلَمْ تَكُنْ تَأْمُرُ بِالمعْرُوفِ وَتَنْهى عَنِ الْمُنكَرِ؟ فَيَقُولُ: بَلٰى. كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا آتِيهِ وَأَنْهى عَنِ المنكَرِ وَآتِيهِ» [2]

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور آگ

---

(۱) رياض الصالحين ص۸٦ (۱۹۸).

(۲) صحيح البخارى ۱۲۱/٤ (۳۲٦۷) وصحيح مسلم ۲۲۹۰/٤ (۲۹۸۹).

میں ڈال دیا جائے گا، آگ میں گرتے ہی گرمی کی شدت کی وجہ سے اس کی آنتیں پیٹ سے باہر نکل آئیں گی اور وہ شخص اپنی آنتوں کے گرد اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے، اس زمانے میں ایک بڑی چکی ہوا کرتی تھی اس چکی میں گدھے کو باندھ دیتے تھے، وہ اس چکی کو گھماتا تھا۔ جب اہلِ جہنم اس کا یہ منظر دیکھیں گے تو وہ آکر اس کے پاس جمع ہو جائیں گے اور اس سے پوچھیں گے کہ یہ کیا قصہ ہے؟ ایسی سزا تمہیں کیوں دی جارہی ہے؟ کیا تم وہ شخص نہیں ہو کہ تم لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے؟ اور برائی سے روکا کرتے تھے؟ (تم عالم فاضل تھے اور داعیٔ حق تھے اور لوگوں کے لیے مصلح کا درجہ رکھتے تھے، آج تمہارا یہ انجام کیسے ہوا؟) اس وقت وہ شخص جواب میں کہے گا کہ ہاں! میں اصل میں لوگوں کو تو نیکی کی نصیحت کرتا تھا، لیکن خود نیکی نہیں کرتا تھا اور لوگوں کو برائی سے روکتا تھا اور میں خود اس برائی کا ارتکاب کیا کرتا تھا، اس وجہ سے آج میرا یہ انجام ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ بچائے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، آمین۔

اس حدیث کو جب پڑھتا ہوں تو ڈر لگتا ہے وہ لوگ جن کو نیکی کی بات کہنے اور دین کی بات سنانے کا کام کرنا ہوتا ہے ان کے لیے یہ بڑا نازک اور خطر ناک مرحلہ ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ اس کا مصداق بن جائیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کا مصداق بننے سے بچائے۔ (آمین)

چراغ سے چراغ جلتا ہے

بہر حال! اگر آدمی کو اپنی فکر نہ ہو اور دوسرے کی اصلاح کی فکر لے کر آدمی چل کھڑا ہو اور دوسروں کے عیب تلاش کرتا رہے تو اس طرح معاشرے کی اصلاح ہونے کے بجائے اور زیادہ فساد کا راستہ کھلتا ہے اور زیادہ بگاڑ پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ ہمارے سامنے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ فکر پیدا فرمادے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عیوب کا جائزہ لے کہ میں کیا کیا کام غلط کررہا ہوں اور پھر اس کی اصلاح کی فکر میں لگ جائے، چاہے دس سال کی زندگی باقی ہو یا پندرہ سال اور بیس سال کی زندگی باقی ہو، آخر میں ہر ایک کو اپنی قبر میں پہنچنا ہے اور اپنے سارے اعمال کا اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہونا ہے، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کا جائزہ لے، اپنے حالات کو دیکھے اور اس میں جہاں جہاں خرابیاں نظر آئیں اس کی اصلاح کی طرف قدم بڑھائے، پھر چاہے کوئی انجمن اور جماعت نہ بنائے، لیکن ایک آدمی کم از کم اپنے آپ کی اصلاح کرلے اور وہ خود سیدھے راستے پر لگ جائے تو قرآنِ کریم کے اس حکم پر عمل ہوجائے گا ایک سے دو، دو سے تین، چراغ سے چراغ جلتا ہے، شمع سے شمع روشن ہوتی ہے اور اس طرح دین کا یہ طریقہ دوسروں تک بھی پہنچتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ فکر پیدا فرمائیں اور اپنی اصلاح کرنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائیں اور اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حسنِ معاشرت اور آداب میزبانی

(البلاغ شمارہ جمادی الاولی تا رجب ۱۴۳۷ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسنِ معاشرت اور آدابِ میزبانی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

حقوق کی ادائیگی

کئی ہفتوں سے آدابِ معاشرت کا بیان چل رہا ہے، جو کہ دین کا بہت ہی اہم حصہ ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف، طریقت اور سلوک کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں، حالانکہ حقوق کو ان کی حدود کے ساتھ ساتھ صحیح صحیح انجام دینے کا نام ہی تصوف وطریقت ہے۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ جو کہ تصوف کے امام ہیں

اوران کی کتاب ''احیاء العلوم'' تصوّف کی اعلیٰ درجے کی کتاب ہے، انہوں نے ایک پوری جلداسی آدابِ معاشرت کے موضوع پر مخصوص کی ہے۔

مہمان کے حقوق

یہاں پرحضرت والا حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے معاشرت کے احکام میں سے ''مہمان کے حقوق'' کا بیان فرمایاہے، یہ حقوق قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں۔ قرآنِ کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کا ذکر ہے[1] اور ایک روایت کے مطابق مہمان نوازی کا باقاعدہ سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہی شروع ہواہے[2]۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ[3]

تم میں سے جوشخص اللہ پراورآخرت پرایمان رکھتاہو،اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کااکرام کرے۔

ایک اورحدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادمروی ہے:

اِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا[4]

(۱) سورۃ الحجرآیت (۵۱-۵۲) وسورۃ الذاریات آیت (۲۴تا۲۸)۔

(۲) قری الضیف لابن ابی الدنیا ص۱۸ (۵) طبع اضواء السلف وشعب الایمان للبیہقی ۱۳۶/۱۲(۹۱۷۰)۔

(۳) صحیح البخاری ۱۱/۸(۶۰۱۸)۔

(۴) صحیح البخاری ۳۹/۳(۱۹۷۴)۔

بیشک تمہارے ملنے جلنے والوں کا تم پر حق ہے۔

یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص واقعے کے تحت بیان فرمائی ہے جوکہ بہت ہی سبق آموز ہے، اس سے دین کی صحیح سمجھ بھی پیدا ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بہت جلیل القدر صحابی تھے، بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، ان کے بارے میں بخاری شریف (۱) کی حدیث میں ہے کہ ان کے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح ایک اچھے حسب ونسب والی خاتون سے کروادیا تھا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنی بہو کا بہت خیال رکھتے تھے، حدیث میں الفاظ ہیں:

كَانَ يَتَعَاهَدُ كَنَّتَهُ (۲)

ایک مرتبہ انہوں نے اپنی بہو سے پوچھا کہ تمہارے شوہر عبداللہ بن عمرو کیسے آدمی ہیں؟ بہو نے جواب میں کہا، حدیث میں الفاظ ہیں:

نِعْمَ الرَّجُلُ مِنْ رَجُلٍ لَمْ يَطَأْ لَنَا فِرَاشًا، وَلَمْ يُفَتِّشْ لَنَا كَنَفًا مُنْذُ أَتَيْنَاهُ

بہت اچھے آدمی ہیں، کبھی ہمارے بستر پر سوتے نہیں اور کبھی ہمارے لیے کپڑے کھولتے نہیں۔

(۱) ملاحظہ فرمائیں صحیح البخاری ۳۹/۶ (۱۹۷۵) و ۱۹۶/۶ (۵۰۵۲)۔
(۲) صحیح البخاری ۱۹۶/۶ (۵۰۵۲)۔

بھو نے تعریف کرتے ہوئے ایک اشارہ بھی کر دیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اچھے آدمی ہیں، ساری رات عبادت کرتے ہیں، لیکن بیوی کا خیال نہیں کرتے، اس سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو تشویش ہوئی کہ شاید یہ اپنی بیوی کے حقوق پوری طرح سے ادا نہیں کرتے تو انہوں نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو بلا کر وجہ معلوم کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ سارا دن روزہ رکھا کروں گا اور ساری رات نماز میں قرآن کی تلاوت کیا کروں گا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے انہیں بیوی کے حقوق ادا کرنے کی تاکید فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما پر عبادت کا غلبہ تھا کہ کل بروزِ قیامت مجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، اس لیے میرے زیادہ سے زیادہ اچھے اعمال جمع ہو جائیں تو میرے لیے زیادہ بہتر ہے، یہ خیال کر کے انہوں نے باپ کی تاکید کو زیادہ اہم نہ جانا اور اپنا طرزِ عمل جاری رکھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر ان کے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری بات عرض کی، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں میرے پاس بھیجنا، چنانچہ انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو پیغام دیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں پیغام ملنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جب میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح تشریف فرما تھے کہ ایک تکیہ درمیان میں تھا، جس کے ایک طرف خود تشریف فرما تھے اور دوسری طرف مجھے بیٹھنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے یہ عہد کیا ہے کہ تم ساری زندگی دن میں روزہ رکھا کرو گے اور ساری رات نماز میں قرآنِ کریم کی تلاوت کیا کرو گے، کیا ایسا ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! ایسا ہی ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَ اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا[1]

بے شک تم پر تمہارے رب کا حق ہے، اور بے شک تم پر تمہاری جان کا بھی حق ہے اور تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ایسے عہد سے منع فرمایا جس سے دوسروں کے حقوق ضائع ہوتے ہوں اور حکم دیا کہ مہینے میں تین دن روزے رکھ لیا کرو، کیونکہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے تو ایک روزے کا ثواب دس روزوں کے برابر ہوجائے گا اور تین روزے رکھنے سے پورے مہینے کے روزوں کا ثواب مل جائے گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، تو نبیِ کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر ایسا کیا کرو کہ ایک دن روزہ رکھا کرو اور دو دِن افطار کیا کرو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اس سے بھی زیادہ کی طاقت ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا ایسا کرو کہ ایک دن روزہ رکھ لیا کرو اور ایک دن افطار کرلیا کرو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اس

(۱) حوالہ بالا و نیز ملاحظہ ہو صحیح مسلم ۲/۸۱۷ (۱۱۵۹)۔

سے بھی زیادہ کی طاقت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس سے زیادہ افضل کوئی چیز نہیں، یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک سنت

پھر پوچھا کہ رات میں قرآن شریف کتنا پڑھتے ہو؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ روزانہ ایک قرآن ختم کرتا ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایک ماہ میں ایک قرآن مکمل کیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اس سے زیادہ کی طاقت حاصل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ پھر بیس دن میں ایک قرآن ختم کرلیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اور زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ پھر پندرہ دن میں ختم کرلیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ پھر دس دن میں ایک ختم کرلیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ رات کو عبادت میں کھڑے بھی رہو اور سوؤ بھی، اور دن میں روزہ بھی رکھا کرو اور کبھی افطار بھی کیا کرو۔ پھر فرمایا کہ میں رات کو سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں اور دن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور اپنی بیویوں کے حقوق بھی ادا کرتا ہوں، جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔

نفس کا حق

اس حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہایت ہی جامع اور مؤثر انداز میں تمام حقوق کو جمع فرمادیا ہے کہ مسلمان کا کام یہ ہے کہ جس وقت جس حق کا تقاضا

ہے، اس کو ادا کرنے کا پابند بنے، جیسے جان کا حق ہے کہ اس کو بھوکا نہ رکھو، خودکشی کرکے اس کو ہلاک نہ کرو، اس کو ایسے کام میں مبتلا نہ کرو کہ اس کو کوئی بیماری لاحق ہوجائے، اس کو ذلیل نہ ہونے دو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا افسوس

اس حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ اگر تم ساری رات نہیں سوؤ گے تو آنکھیں اندر دھنس جائیں گی[1]، چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب بوڑھے ہوئے اور قُویٰ کمزور ہونے لگے تو پھر یہ واقعہ سنا کر فرماتے تھے کہ مجھے اب افسوس ہوتا ہے کہ شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ ارشاد فرمایا تھا کہ مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو، لیکن میں نے اصرار کرکے زیادہ کی اجازت لے لی، لیکن اب بوڑھا ہوگیا ہوں تو مشکل پیش آرہی ہے، چنانچہ بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے کئی کئی دن افطار کرنا پڑتا ہے، لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ایک کام کا آغاز کیا تھا تو جتنے روزے افطار کرتے، بعد میں اتنے ہی روزے رکھتے تھے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا واقعہ

بالکل اسی قسم کا واقعہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا[2]، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی بڑے درویش منش صحابی تھے، بہت عبادت گزار تھے، جب شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان ''مؤاخات'' یعنی بھائی چارہ قائم فرمایا تھا، تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی مؤاخات حضرت سلمان

(۱) صحیح البخاری ۴۰/۳(۱۹۷۹)۔
(۲) صحیح البخاری ۳۸/۳(۱۹۶۸) و ۳۲/۸(۶۱۳۹)۔

فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قائم فرمائی تھی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ملاقات کی غرض سے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے آئے، اس وقت تک پردے کے احکام نہیں آئے تھے، تو انہوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو دیکھا کہ وہ بہت ہی میلے کچیلے کپڑوں میں جارہی ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ آپ اس حالت میں کیوں پھر رہی ہیں؟ کیونکہ شوہر والی عورت پر شوہر کا حق ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لیے کچھ بن سنور کر رہے، زینت اختیار کرے۔ بیوی نے کہا کہ میں کس کے لیے زینت اختیار کروں اور کس کے لیے اچھے کپڑے پہنوں؟ تمہارے بھائی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا حال یہ ہے کہ دن بھر وہ روزے سے رہتے ہیں اور رات کو گھر آکر مصلے پر کھڑے ہوجاتے ہیں، میری طرف کوئی رغبت نہیں تو پھر میں کیسی زینت اختیار کروں۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ چونکہ مہمان تھے، لہٰذا ان کے لیے کھانا تیار کیا اور سامنے پیش کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آیئے، آپ بھی کھایئے، انہوں نے کہا کہ میں روزے سے ہوں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک تم میرے ساتھ نہیں کھاؤ گے۔

مہمان کے لیے نفلی روزہ توڑنے کا حکم

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا ہوا ہو اور کوئی مہمان آجائے یا وہ کسی کے ہاں مہمان بن کر چلا جائے اور میزبان اس کی ضیافت کرنا چاہے تو اس کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے، بعد میں اس کی قضا کرلے[1]۔ چنانچہ

(۱) اور یہ مسئلہ احادیث مرفوعہ سے بھی ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں صحیح مسلم ۸۰۸/۲ (۱۱۵٤) وسنن ابی داود ۳۲۹/۲ (۲٤٥٦) والمعجم الاوسط للطبرانی ٤٦/۲ (۱۲۰۰)۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے روزہ توڑ کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھانا کھایا۔

جب رات ہوئی تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بستر پر جانے لگے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے مصلی بچھا لیا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کہاں چلے؟ کہنے لگے کہ میں نماز پڑھنے لگا ہوں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ سوجایئے، چنانچہ وہ ان کے کہنے پر سو گئے۔ جب تہجد کا وقت ہوا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ خود بھی اُٹھ گئے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو بھی تہجد کے لیے بیدار کر دیا، پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے تقریباً وہی الفاظ ارشاد فرمائے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمائے تھے:

اِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا

بیشک تم پر تمہارے رب کا حق ہے، اور بے شک تم پر تمہاری جان کا بھی حق ہے اور بیشک تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے اور بے شک تم پر تمہارے مہمان کا بھی حق ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے رسولِ کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر یہ بات بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صَدَقَ سَلْمَان سلمان نے سچی بات کہی۔

دین کا خلاصہ حقوق کی پہچان ہے

سارے دین کا خلاصہ دراصل یہی ہے کہ حقوق کو پہچانا جائے کہ کس وقت کس کا کیا حق ہے؟ پہچان کر پھر اس حق کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے، چاہے وہ

بندے کا حق ہو یا اللہ کا حق ہو۔ ایسا نہیں کہ آدمی ایک طرف کا ہو کر رہ جائے اور دوسرے حقوق پامال ہوتے رہیں۔ اعتدال کی یہ تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے کہ ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرو[1]۔ جب کسی بندے کا حق ادا کرو تو وہ بھی اس نیت سے ادا کرو کہ میرے اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے۔

اس حدیث میں ملنے جلنے والوں اور مہمانوں کے حق ادا کرنے کی تاکید بیان فرمائی گئی ہے، جس کا بیان حضرت والا حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ مہمان کا حق یہ ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے، اس سے خندہ پیشانی سے ملا جائے اور اس کو وقت دیا جائے۔

مہمان کا اکرام اور حضرت عارفی رحمہ اللہ کی نصیحت

میں ایک زمانے میں صحیح مسلم شریف کی شرح لکھ رہا تھا تو ایک خاص وقت مقرر کر کے کتب خانے میں بیٹھ کر لکھا کرتا تھا، اس وقت میں دل یہ چاہتا تھا کہ میں کسی طرح متوجہ رہوں، کیونکہ تصنیف و تالیف کا کام ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو پہلے مطالعہ کرنا پڑتا ہے، پھر اس کا خلاصہ ذہن میں لے کر کہیں لکھنے کی نوبت آتی ہے، اس دوران اگر کوئی مُخل ہو جائے تو بہت خلل واقع ہوتا ہے، اکثر ہوتا تھا کہ وہاں پر کوئی مہمان آجاتا تھا، وہ پہلے مصافحہ کرتا تھا، پھر بیٹھ کر کوئی بات چیت بھی شروع کر دیتا تھا، تو میری طبیعت کو کوفت ہوتی تھی کہ میرا کام رُک گیا، میں جس طرح چاہ رہا تھا، اس طرح نہیں ہو پایا۔ میں نے اپنی اس کیفیت کا ذکر اپنے شیخ حضرت عارفی رحمہ اللہ سے کیا، انہوں نے ایک عجیب بات ارشاد فرمائی، جس سے

(۱) کما جاء فی قصۃ ابی الدرداء عند البخاری ۳۸/۳ (۱۹۶۸): "فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ".

الحمد للہ وہ کوفت کی کیفیت اگرچہ زائل نہ سہی، لیکن بہت کم ہوگئی۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ سوچو کہ تم جو یہ لکھ رہے ہو، یہ کس لیے لکھ رہے ہو، کیا اپنا شوق پورا کرنے کیلیے لکھ رہے ہو یا اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے لکھ رہے ہو؟ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے ک کے لیے لکھ رہے ہو تو گویا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی چلنا ہے، اب اگر کوئی مہمان آگیا تو اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا کہ مہمان کی خاطرداری کرو، اس کی خیریت دریافت کرو، اس کے ساتھ ملاقات کرو، لکھنا بھی اللہ تعالیٰ کے لیے تھا، یہ ملاقات بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، اگر مہمان کے آنے سے کام میں کچھ خلل واقع ہو بھی گیا تو من جانب اللہ ہوا، اس وقت اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوئی کہ تمہارے پاس مہمان آئے اور تم اکرامِ ضیف کی سنت پر عمل کرو، اس لیے تمہارا تو کوئی نقصان نہیں ہوا۔

اپنی تدبیر سے ہم کوئی کام مقرر کر لیتے ہیں، یہ ہماری مقرر کردہ تدبیر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت میں کوئی اور چیز سامنے آگئی تو اب وقت کا تقاضا یہ ہے کہ تم اس کا حق پہلے ادا کرو۔ اس سے رنجیدہ ہونے یا طبیعت پر بوجھ محسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔

وقت کا ضیاع مہمان کا حق نہیں

اس میں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ مہمان کا حق یہ ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے، اس کو کچھ وقت دیا جائے، اگر وہ کوئی بات کرنا چاہتا ہے تو اس کی بات کو توجہ سے سنا جائے، لیکن مہمان کا یہ حق نہیں کہ وہ وقت ضائع کرنے لگے، مثلاً مہمان آکر بیٹھ جائے اور بلا وجہ ایسی گفتگو شروع کر دے جس کا کوئی مقصد نہیں،

تو ایسے مہمان کا اکرام کی حدتک معاملہ درست ہے ،لیکن اس کی فضول باتوں میں اس کا ساتھ دینا یہ اس کا حق نہیں ہے، بلکہ تم ایسی صورت میں اپنے کام میں لگ سکتے ہو۔

مہمان کی خاطر مدارات کا اُصول

حضرت فرماتے ہیں کہ مہمان کی کچھ خاطر مدارات کرو اور ایک روز کسی قدر تکلف کا کھانا کھلادو۔ تین دن مہمانی کا حق ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مہمان رہنے کے لیے آئے تو:

جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَضِيَافَتُهُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ (۱)

یعنی ایک دن کچھ تکلف کے ساتھ مہمان کے کھانے کا انتظام کیا جائے۔ یعنی معمول کے کھانے سے کچھ بہتر کھانا بنالیا جائے۔ اور باقی تین دن ضیافت ہیں، یعنی معمول کے مطابق جیسا گھر میں پکتا ہے وہی مہمان کو کھلادو۔

مہمان کی ذمہ داری

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مہمان کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی میزبان کے گھر میں اتنا رہے کہ اس کو تنگ کردے (۲)۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب شہروں اور بستیوں میں سرائے اور ہوٹل وغیرہ نہیں ہوا کرتے تھے، تو گھروں میں ہی مہمان نوازی ہوا کرتی تھی، تو ایسی

---

(۱) صحیح البخاری ۳۲/۸ (٦١٣٥)۔
(۲) صحیح البخاری ۳۲/۸ (٦١٣٥)۔

صورتحال میں تین دن تک تو مہمان کا حق ہے، اس کے بعد اس کو اپنا انتظام خود کرلینا چاہئے۔ میزبان کو تنگ کردینے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے ملنے گیا تو اس میں بھی اتنا وقت اس کے ساتھ نہ رہے کہ میزبان تنگ ہوجائے۔

مہمان کو رخصت کرتے وقت دروازے تک چھوڑنا

دوسری بات جو حضرت والا رحمہ اللہ نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ رخصت کے وقت مہمان کو دروازے تک پہنچانا بھی سنت ہے[1]، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ یہی عمل تھا، بعض مرتبہ کسی لشکر کو اگر روانہ کرنا ہوتا تو مدینہ منورہ کے باہر تک اس کو رخصت فرما کر واپس تشریف لاتے[2]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنا

چنانچہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو اس طرح رخصت فرمایا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے اور نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم باگ پکڑ کر مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے، اس وقت

---

(۱) سنن ابن ماجه ٦٧/٥ (٣٣٥٨) من حديث ابى هريرة وقال البوصيري في "مصباح الزجاجة" ٤/٣٣: هذا إسناد ضعيف، علي بن عروة أحد الضعفاء المتروكين، وقال ابن حبان: يضع الحديث. وشعب الايمان للبيهقي ١٥٣/١٢ (٩٢٠٢) من حديث عبد الله بن عباس وقال البيهقي في إسناده ضعف.

(٢) المعجم الكبير للطبراني ٣٧٧/١٤ (١٥٠١١) عن عروة بن الزبير مرسلا وقال الهيثمي في "المجمع" ٢٣١/٦ (١٠٢٢٠): رواه الطبراني ورجاله ثقات إلى عروة.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاذ! شاید آج کے بعد تم مجھے نہ دیکھو۔اور اب آؤ تو میری قبر پر آؤ۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بہت لاڈلے صحابی تھے،جن کا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق انتہاء درجے کا تھا، یہ سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، حدیث میں ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے چہرہ ہٹا کر مدینہ منورہ کی طرف کرلیا، انداز حدیث کا یہ ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کے رونے کا تاثر ہوا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے چھپانے کیلیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ پھیرلیا۔ اور فرمایا کہ اے معاذ! جو میری سنت پر عمل کرتا ہے وہ مجھ سے قریب ہے،اور جو میری سنت پر عمل نہیں کرتا،وہ مجھ سے دور ہے چاہے وہ میرے کتنا قریب ہو۔یہ جملہ ارشاد فرما کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رخصت فرمایا[1]۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ مہمان کو رخصت کرتے وقت دروازے تک تشریف لیجاتے، اس کو ''مشایعت'' کہتے ہیں۔

مہمان کو کھانا کھلانے پر اصرار نہ کریں

حضرت والا رحمہ اللہ نے آگے فرمایا کہ مہمان کے حقوق اور میزبان کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ کھانے پر اصرار تکلف کے ساتھ، خلافِ مصلحتِ مہمان نہیں چاہئے۔یعنی مہمان کے اکرام وعزت کرنے کا حکم ہے،اس کا تقاضا یہ ہے کہ مہمان کو راحت پہنچائی جائے، لہٰذا مہمان کی طبیعت یا مصلحت کے خلاف کسی

(۱) ملاحظہ فرمائیں مسند احمد ۳۷۶/۳٦ (۲۲۰۵۲) و (۲۲۰۵٤) وقال الهيثمي في "المجمع" ۵۸۹/۸ (١٤٢٣٨): رواه أحمد بإسنادين ... ورجال الإسنادين رجال الصحيح، غير راشد بن سعد وعاصم بن حميد، وهما ثقتان.

بات پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ مثلاً مہمان کی طبیعت کھانا کھانے کو نہیں چاہ رہی اور میزبان اصرار کئے جارہا ہے کہ کھانا ضرور کھایئے، تو یہ بات اس کے لیے تکلیف کا باعث ہوگی۔ مہمان کے لیے خاطر مدارات کا انتظام کرنا اچھی بات ہے، اس کو تھوڑا بہت رسمی طور پر کھانے کے لیے کہہ دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس کو کھانے پر مجبور کر دینا اور اس پر مسلط ہو جانا درست بات نہیں۔

محبت اور اکرام کا تقاضا راحت رسانی ہے

محبت اور اکرام دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ راحت رسانی کی جائے، اس کی پسند و ناپسند کا خیال رکھا جائے، نہ یہ کہ آپ زبردستی اس پر اپنی پسند مسلط کر دیں کہ وہ نہ کھائے تو مشکل اور کھائے تو کیسے کھائے کہ اس کی طبیعت نہیں چاہ رہی۔

انگلینڈ میں ہمارے ایک دوست ہیں جن کا نام محمد یوسف ـــــ متالا ہے، ماشاء اللہ بزرگوں کے صحبت یافتہ ہیں، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے خلیفہ ہیں، جیسے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ دسترخوان پر جس کا اکرام وعزت زیادہ کرنی مقصود ہو تو کھانا لا لا کر اس کی پلیٹ میں ڈالتے رہتے ہیں، پہلے وہ منع کرتے رہے کہ بھئی مجھے اپنی پسند سے کھانے دو، لیکن لوگوں کا اصرار تھا کہ ختم ہی نہیں ہوتا تھا، تو آخر میں انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب کوئی ڈال رہا ہے تو اس کو کہتے ہیں کہ جتنا تمہارا دل چاہ رہا ہے، وہ ڈال دو، جب وہ ڈال کر فارغ ہوتا تو فرماتے کہ بھئی! یہ تو آپ کی پسند ہے، اب آپ تناول فرمائیں، کیونکہ اس کی تعیین اور مقدار آپ کی مقرر کردہ اور پسندیدہ ہے اور میں اپنی پلیٹ میں اپنی پسند اور مقدار کے مطابق لے لوں گا۔

مہمان کی خاطر مدارات کرنے کا یہ طریقہ اختیار کرنا بہت ہی غلط بات ہے، اس سے مہمان کو تکلیف ہوتی ہے اور کھانا بھی برباد ہوتا ہے، اسی لیے حضرت والا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی بات پر مہمان کو اصرار کرکے اور مجبور کرکے راضی نہیں کرنا چاہئے۔

اپنے شیخ و بزرگ کی دعوت کرنے کا اُصول

حضرت والا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب اپنے کسی بزرگ کی دعوت کرے اور ان کے ساتھ ان کے متعلقین میں سے کسی اور کی بھی دعوت کرنا چاہے تو ان بزرگ سے یہ نہ کہے کہ فلاں کو بھی ساتھ لیتے آیئے گا، بعض اوقات ان کو ساتھ لینا یاد نہیں رہتا اور اپنا کام اپنے بزرگ سے لینا خلافِ ادب بھی ہے، درست طریقہ یہ ہے کہ ان سے اجازت لے کر ان سے خود کہہ دے اور متعلق کو بھی چاہئے کہ اپنے بزرگ سے پوچھ کر منظور کرے۔ مثلاً آپ اپنے بزرگ سے کہیں کہ جناب! آپ کی دعوت ہے اور آپ اپنے شاگردوں سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ بھی ساتھ تشریف لے آئیں، گویا آپ نے شاگردوں کی دعوت کی اور ان بزرگ کو اطلاع دینے کا کام سونپ دیا یہ بے ادبی کی بات ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ خود جاکر ان شاگردوں کو پیغام دے اور شاگردوں کو بھی چاہئے کہ دعوت ملنے پر اپنے استاذ سے اجازت لے کر قبول کریں۔

طفیلی بن کر کھانا کھانا اہلِ علم کے وقار کے منافی ہے

آگے حضرت والا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نواب صاحب کے

بلانے پڑھا کہ گیا تو وہاں پر بنگال کے اہلِ علم ملاقات کے لیے آئے تو میں نے سب سے کہہ دیا کہ کھانا بازار سے کھانا چاہیے، کیونکہ حضرت تو نواب صاحب کے مہمان تھے، باقی حضرات حضرت سے ملاقات کے لیے آرہے تھے، جب نواب صاحب کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے منتظم سے فرمایا کہ جو بھی حضرت سے ملنے کے لیے آرہا ہے، اس کے کھانے پینے کا انتظام ہمارے ہاں سے کیا جائے، میں نے نواب صاحب سے کہلوایا کہ جو لوگ مجھ سے ملنے کے لیے آرہے ہیں، یہ میرے احباب ہیں، طفیلی نہیں ہیں، لہٰذا میں ان سے نہیں کہوں گا کہ آپ بھی کھانا یہیں کھالیں، بلکہ اگر آپ کو ان کی دعوت کرنی ہے تو براہِ راست خود دعوت دیں، چنانچہ نواب صاحب نے آنے والے تمام حضرات میں سے ایک ایک کے پاس جاکر اس کو دعوت دی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اگر میں ان کو کھانا کھانے کا کہتا تو وہ طفیلی بن کر کھاتے، جو کہ اہلِ علم کے وقار کے خلاف ہے، نواب صاحب کی دعوت ملنے کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ نواب صاحب دعوت دے رہے ہیں، ہم قبول کریں یا نہ کریں تو میں نے اجازت دیدی۔ اندازہ لگایئے کہ حضرت رحمہ اللہ اہلِ علم کا وقار بلند رکھنے کے لیے کتنی باریک باتوں کی رعایت فرماتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ایک دیہاتی کا واقعہ

تیسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ میزبان، مہمان کے اُوپر مسلط ہوکر نہ بیٹھے، بلکہ آزاد چھوڑ دے کہ جس طرح اس کا دل چاہے، وہ کھائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کا دسترخوان کافی وسیع ہوتا تھا، ایک دفعہ

ایک اعرابی یعنی دیہاتی مہمان بن کر آیا، وہ بڑے بڑے لقمے لے کر کھا رہا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ جلیل القدر صحابی بھی تھے اور حاکم ہونے کے لحاظ سے رعایا کے مربی اور والی کی حیثیت میں بھی تھے، توحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس اعرابی سے کہا کہ اگر تم لقمے چھوٹے بنا کر کھاؤ گے تو زیادہ آسانی ہوگی اور صحت کیلیے بھی مضر نہیں ہوگا، دیہاتی یہ بات سن کر کھانا چھوڑ کر غصہ سے کھڑا ہوگیا اور کہا کہ آپ کا دسترخوان اس قابل نہیں کہ کوئی شریف آدمی بیٹھ کر کھانا کھاسکے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں؟ اس نے کہا کہ آپ میرے لقموں کو دیکھ رہے ہیں اور یہ مہمان کے اکرام کے خلاف ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہاری صحت کے لیے کہہ رہا تھا، لیکن وہ دیہاتی کسی طرح راضی نہیں ہوا(1)۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصد تعلیم وتربیت تھی، جیسے کوئی استاذ اگر اپنے شاگردوں کے کھانے وغیرہ کے انداز میں کوئی غلطی یا خرابی دیکھے تو ان کو سکھانے کے لیے کچھ کہہ سکتا ہے، یہ کوئی بُری بات نہیں ہے، لیکن جو میزبان اس درجے میں نہیں ہے، اگر وہ ٹوہ لے کر مہمان کے لقمے دیکھے کہ کیسے کھا رہا ہے؟ کم کھا رہا ہے یا زیادہ؟ یہ بات مہمان کے اکرام کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تمام حقوق اپنی رضا کے مطابق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین

(۱) ابوعثمان جاحظ نے کتاب البخلاء ص ۱۰۰ اور ابن قتیبہ الدینوری نے عیون الاخبار ۳/۲٤٤ پر مذکورہ واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اعرابی کے لقمہ میں بال ہے تو آپ نے از راہ شفقت انہیں مطلع کیا تو اس سے وہ اعرابی ناراض ہوکر دسترخوان سے اٹھ کر چلا گیا۔ واللہ اعلم از مرتب عفی عنہ۔

مسلمان مسلمان۔ بھائی بھائی

(اصلاحی خطبات ۸/۱۹۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمان مسلمان ـ بھائی بھائی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (۱)

(۱) سورۃ الحج آیت (۷۷)۔

وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ قال: «المُسْلِمُ اخُوا المُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً، فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(۱)

دوسروں کے ساتھ بھلائی کریں

ایک مسلمان کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ دے اور اس پر ظلم وزیادتی نہ کرے اور اس کو ایذاء رسانی سے بچائے، بلکہ اس سے بڑھ کر ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کے کام آئے اور اس کی ضرورت اور حاجت کو اپنی استطاعت کی حد تک پورا کرے اور اگر کوئی مسلمان کسی مشکل یا پریشانی میں گرفتار ہے تو اس کو پریشانی سے نکالنے کی کوشش کرے۔ یہ بات بھی ایک مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔ چنانچہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی اس میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ

''بھلائی کا کام کرو تاکہ تم کو فلاح اور کامیابی حاصل ہو''۔

بھلائی کے اندر سب کچھ آجاتا ہے۔ مثلاً دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنا، اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اس کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنا، اس کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنا یہ سب چیزیں خیر اور بھلائی کے اندر داخل ہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری ۱۲۱/٤ (۳۲٦۷) و صحیح مسلم ۲۲۹۰/٤ (۲۹۸۹)۔

ایک جامع حدیث

جو حدیث میں نے تلاوت کی وہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہ تو مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو دشمنوں کے حوالے کرتا ہے، یعنی نہ اس کو بے یارومددگار چھوڑتا ہے۔

"من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته"

جو شخص اپنے کسی بھائی کی کسی ضرورت کے پورا کرنے میں لگا ہوا ہو اس کا کوئی کام کر رہا ہو تو جب تک وہ اپنے بھائی کا کام کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام بناتے رہیں گے اور اس کی حاجتیں پوری کرتے رہیں گے۔

"ومن فرج عن مسلم کربة فرج الله عنه بها کربة من کرب یوم القیامة"

اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی تکلیف یا مشقت کی بات دور کرے، یعنی وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے کسی مسلمان کی مشکل آسان ہو جائے اور اس کی دشواری دور ہو جائے تو اس دور کرنے والے پر قیامت کے روز جو سختیاں آنے والی تھیں اللہ تعالیٰ ان سختیوں میں سے ایک سختی کو اس سختی کے مقابلے میں دور فرما دیتے ہیں۔

"ومن ستر مسلمًا ستره الله یوم القیامة"

اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے مثلاً کسی مسلمان کا ایک عیب پتہ چل گیا کہ اس کے اندر فلاں عیب ہے یا فلاں خرابی ہے یا فلاں گناہ کے اندر

مبتلا ہے۔ اب یہ شخص اس عیب کی پردہ پوشی کرے اور دوسروں تک نہ پہنچائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے اور اس کے گناہوں کو ڈھانپ دیں گے۔

یہ بڑی جامع حدیث ہے اور متعدد جملوں پر مشتمل ہے، جس میں سے ہر جملہ ہماری اور آپ کی توجہ چاہتا ہے ان پر غور کرنے اور ان کو اپنی زندگی کا دستور بنانے کی ضرورت ہے۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے

اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو جملہ ارشاد فرمایا، اس میں ایک اصول بیان فرمادیا کہ

"المسلم اخو المسلم"

یعنی مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔

لہٰذا انسان کا اپنے بھائی کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے ہر مسلمان کے ساتھ وہی معاملہ ہونا چاہیے۔ خواہ وہ مسلمان اجنبی ہو اور بظاہر اس کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہ ہو، بظاہر اسکے ساتھ دوستی کا کوئی تعلق نہ ہو، لیکن تم اس کو اپنا بھائی سمجھو، اس ایک جملے کے ذریعے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے امتیازات اور تعصبات کی جڑ کاٹ دی یہ تو فلاں وطن کا رہنے والا ہے اور میں فلاں وطن کا رہنے والا ہوں، یہ فلاں زبان بولنے والا ہے، میں فلاں خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھنے والا ہوں اس ایک جملے نے ان امتیازات اور تعصبات کی جڑ کاٹ دی جو آج ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یعنی

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، چاہے وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو، کسی وطن کا باشندہ ہو، کسی بھی پیشے سے اس کا تعلق ہو، کسی بھی ذات یا نسل سے اس کا تعلق ہو، ہر حالات میں تمہارا بھائی ہے۔ ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں اسی بات کو قرآنِ کریم کی ایک آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑے پیارے انداز میں بیان فرمایا کہ

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ⑬ (۱)

اس آیت میں پوری انسانیت کا بڑا عجیب منشور بیان فرمایا، فرمایا کہ اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، یعنی تم سب کا سلسلہ نسب ایک مرد اور ایک عورت یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہاالسلام پر جا کر ختم ہوتا ہے، تم سب کے باپ ایک ہیں، یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور تم سب کی ماں ایک ہیں، یعنی حضرت حوا علیہاالسلام، جب سب انسانوں کے باپ ایک، سب انسانوں کی ماں ایک، تو پھر کسی کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں، پھر ایک سوال پیدا ہوا کہ جب تمام انسان ایک باپ اور ایک ماں کی اولاد ہیں تو اے اللہ! پھر آپ نے مختلف خاندان اور مختلف قبیلے کیوں بنائے؟ کہ یہ فلاں قبیلے کا ہے، یہ فلاں خاندان کا ہے، یہ فلاں گروہ کا ہے، یہ فلاں نسل کا ہے، یہ فلاں زبان بولنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا "لتعارفوا" یعنی یہ الگ الگ خاندان اور قبیلے اس لیے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، اگر سب انسان ایک زبان

---

(۱) سورۃ الحجرات آیت (۱۳)۔

بولنے والے، ایک وطن، ایک نسل، ایک خاندان کے ہوتے تو ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل ہوجاتا، مثلاً تین آدمی ہیں اور تینوں کا نام ''عبداللہ'' ہے، تو اب تم پہچان کرنے کے لیے ان کے ساتھ نسبتیں لگا دیتے ہو کہ یہ عبداللہ کراچی کا رہنے والا ہے، یہ لاہور کا اور یہ پشاور کا رہنے ولا ہے۔ اس طرح ان قبیلوں، ان نسبتوں اور شہروں کے اختلاف سے ایک دوسرے کی پہچان ہوجاتی ہے، بس اسی غرض کے لیے ہم نے مختلف شہر اور مختلف زبانیں بنائیں، ورنہ کسی کو کسی پر فوقیت اور فضیلت نہیں ہے۔ ہاں! صرف ایک چیز کی وجہ سے فضیلت ہوسکتی ہے، وہ ہے ''تقویٰ'' جس کے اندر تقویٰ زیادہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ کریم اور زیادہ شریف ہے، چاہے بظاہر وہ نچلے خاندان سے تعلق رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔

اسلام اور کفر کا فرق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دیکھیے کہ ابولہب جو آپ کا چچا تھا اور آپ کے خاندان کا ایک بڑا سردار، اس کا تو یہ حال ہے کہ قرآنِ کریم کے اندر اس کے اوپر لعنت آئی اور ایسی لعنت آئی کہ قیامت تک جو مسلمان بھی قرآنِ کریم کی تلاوت کرے گا، وہ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱)

کے ذریعے ابولہب پر لعنت بھیجے گا کہ اس کے ہاتھ ٹوٹیں اور اس پر لعنت ہو، بدر کے میدان میں اپنے چچا اور تایوں کے ساتھ جنگ ہورہی ہے، ان کے خلاف تلواریں اٹھائی جارہی ہے۔

---

(۱) سورۃ اللھب آیت (۱)۔

جنت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مقام

دوسری طرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو حبشہ کے رہنے والے سیاہ فام ہیں، ان کو سینے سے لگایا جارہا ہے، بلکہ آپ ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ اے بلال! وہ عمل تو ذرا بتاؤ جس کی وجہ سے میں نے آج کی رات خواب میں جنت دیکھی تو وہاں تمہارے قدموں کی چاپ اور آہٹ اپنے آگے آگے سنی۔ یہ سوال حبشی سے کیا جارہا ہے، جو سیاہ فام ہیں اور حبشہ کے رہنے والے ہیں اور جن کو سارے عرب کے لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ! اور کوئی خاص عمل تو میں نہیں کرتا، البتہ ایک عمل ہے جس پر میں شروع سے پابندی کرتا آرہا ہوں، وہ یہ کہ جب کبھی میں دن یا رات میں وضو کرتا ہوں تو اس وضو سے دو چار رکعت نفل ضرور پڑھ لیتا ہوں، (جس کو تحیۃ الوضو کہتے ہیں) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ جواب سن کر اس کی تصدیق فرمائی کہ شاید یہی بات ہوگی جس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں اتنا بڑا مقام عطا فرمایا۔ (۱)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آگے کیوں؟

بعض اوقات خیال آتا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنت میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آگے کیسے نکل گئے؟ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آگے کوئی نہیں نکل سکتا۔ علماءِ کرام نے فرمایا کہ درحقیقت اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آگے اس لیے نہیں تھے کہ ان کا درجہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھا ہوا تھا، بلکہ دنیا

---

(۱) صحیح البخاری ۵۳/۲ (۱۱۴۹) وصحیح مسلم ۱۹۱۰/٤ (۲٤۵۸)۔

میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جاتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ راستہ دکھانے کے لیے آگے آگے چلتے، ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہوتی تھی، راستے میں اگر کوئی پتھر ہوتا تو اس کو ہٹا دیتے، اگر کوئی اور رکاوٹ ہوتی تو اس کو دور کر دیتے، سامنے سے آنے والے لوگوں پر نظر رکھتے، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سامنے سے کوئی دشمن آجائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچادے۔ چونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنت میں بھی وہی منظر دکھا دیا کہ تم ہمارے حبیب کی دنیا میں اس طرح حفاظت کرتے تھے، چلو جنت میں بھی ہم تمہیں آگے رکھیں گے۔ اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں اپنے آگے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی چاپ سنائی دی(۱)۔

اسلام کے رشتے نے سب کو جوڑ دیا

یہ مقام اس شخص نے پایا جس کو غلام کہا جاتا تھا، سیاہ فام اور حقیر سمجھا جاتا تھا، نسل اور خاندان کے اعتبار سے اس کی کوئی وقعت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اس کے مقابلے میں ''ابولہب'' پر قرآنِ کریم میں لعنت نازل ہو رہی ہے کہ تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ روم کے رہنے والے ''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ'' تشریف لاتے ہیں اور بڑا اونچا مقام پاتے ہیں(۲)۔ ایران کے رہنے والے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے آکر اتنا اونچا مقام پایا کہ ان کے بارے میں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

(۱) فتح الباری لابن حجر ۳/۳۵ طبع دار المعرفۃ بیروت۔

(۲) ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء للذہبی ۲/۱۷تا۲۶ طبع موسسہ الرسالۃ۔

"سلمان منا اھل بیت"(۱)

یعنی سلمان فارسی ہمارے گھر والوں میں شامل ہیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے وطن کے، نسل کے، رنگ کے اور زبان کے بتوں کو توڑ دیا اور یہ اعلان فرمادیا کہ ہم تو اس ایک اللہ کو ماننے والے ہیں جس نے سارے انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا اور فرمایا کہ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (۲)

تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے اس وقت مدینہ طیبہ میں اوس اور خزرج کے قبیلوں کے درمیان لڑائی اور جنگ کی آگ سلگ رہی تھی، باپ جب مرتا تو بیٹے کو وصیت کر جاتا کہ بیٹا! اور سب کام کرنا، لیکن میرے دشمن سے انتقام ضرور لینا، زمانہ جاہلیت میں ایک لڑائی ہوئی ہے جس کو "حربِ بسوس" کہا جاتا ہے، چالیس سال تک یہ لڑائی جاری رہی۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک شخص جس کا نام کلیب بن ربیعہ تھا، ایک دن یہ اپنی چراگاہ کی طرف نکلا تو اس نے ایک پرندہ دیکھا جس نے انڈے دیے تھے، اس پرندے نے اسے جب اپنی طرف آتے دیکھا تو خوف کے مارے اس نے اپنے انڈوں کو اپنے پروں میں چھپا لیا تا کہ اسے نقصان نہ پہنچے، کلیب نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اس نے اس پرندہ سے کہا کہ خوف زدہ نہ ہو میں تمہاری اور تمہارے انڈوں کی رکھوالی

(۱) المستدرك للحاكم ٦٩١/٣ (٦٥٣٩) و (٦٥٤١) وقال الذهبي في "التلخيص": وسنده ضعيف. طبع دار الكتب العلمية.

(۲) سورۃ الحجرات آیت (۱۰).

کروں گا، چنانچہ یہ اسے اپنی چراگاہ لے آیا اور وہاں رکھ دیا تو ایک دن بسوس نامی عورت کی اونٹنی کلیب کی چراگاہ میں آئی اور اس نے اس پرندے کے انڈے توڑ دیے۔ یہ دیکھ کر کلیب کو غصہ آیا اور اس نے اس اونٹنی کے تھن پر وار کیا اور اسے کاٹ ڈالا، جس سے دونوں جانب زبانی تو تکار شروع ہوئی اور پھر ہاتھا پائی تک نوبت آ گئی۔ اس کے نتیجے میں تلواریں نکل آئیں۔ اس کا قبیلہ ایک طرف اور دوسرے کا قبیلہ ایک طرف، دونوں قبیلوں کے درمیان لڑائی شروع ہوئی اور ایک پرندے کی وجہ سے چالیس سال تک متواتر یہ لڑائی جاری رہی۔ (۱)

لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لانے کے بعد ان کو ایمان کی اور کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ کی لڑی میں پرو دیا کہ ان کے درمیان عداوت کی آگ ٹھنڈی ہوگئی اور بعد میں ان کو دیکھ کر یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے تھے اور ان کے درمیان بھائی چارہ پیدا فرما دیا، قرآنِ کریم نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا (۲)

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا، اب ایسا نہ ہو کہ یہ بھائی بھائی کا رشتہ ختم ہو جائے اور پھر دوبارہ اسی جاہلیت کے طریقے کی طرف لوٹ جاؤ۔

---

(۱) لسان العرب ۵/۷۰ طبع دار صادر بیروت۔
(۲) سورۃ آل عمران آیت (۱۰۳)۔

آج ہم یہ اصول بھول گئے

بہر حال! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعے سب سے پہلے یہ اصول بتادیا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ خواہ وہ کوئی زبان بولتا ہو، خواہ وہ کسی بھی قبیلے سے، کسی بھی قوم سے اس کا تعلق ہو، لہٰذا اس کے ساتھ بھائی جیسا معاملہ کرو، یہ نہ سوچو کہ چونکہ یہ دوسری نسل کا، دوسری قوم کا یا دوسرے وطن کا آدمی ہے، لہٰذا یہ میرا نہیں ہے، میرا وہ ہے جو میرے وطن میں پیدا ہوا ہو، یہ تصور ذہن سے نکالو اور ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھو۔ پوری تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کو شکست یا زوال کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مسلمان یہ اصول بھول گئے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور کسی نے درمیان میں پھوٹ ڈال دی کہ یہ تو فلاں قوم کا ہے، وہ فلاں نسل کا ہے، بس لڑائی شروع ہوگئی اور اس کے نتیجے میں مسلمان تباہ و برباد ہو گئے، اللہ تعالیٰ اس اصول کو ہمارے دلوں میں بٹھادے۔ (آمین)۔

ہم زبان سے تو کہتے ہیں کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو کیا ہم اس مسلمان کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کرتے ہیں؟ ہر مسلمان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے اور اپنا جائزہ لے، اگر ایسا برتاؤ نہیں کرتے تو پھر آج کے بعد یہ تہیہ کرلیں کہ ہم ہر مسلمان کے ساتھ اپنے بھائی جیسا سلوک کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ بات ہمارے اندر پیدا فرمادے۔ (آمین)

پھر حدیث کے اگلے جملے میں بھائی سمجھنے کی پہلی علامت یہ بیان فرمائی کہ "لا یظلمہ" یعنی مسلمان چونکہ مسلمان کا بھائی ہے، لہٰذا وہ کبھی دوسرے مسلمان

پر ظلم نہیں کرے گا اور اس کی جان، اس کے مال، اس کی عزت اور آبرو پر کوئی حق تلفی نہیں کرے گا، اس کے حقوق ضائع نہیں کرے گا۔

مسلمان دوسرے مسلمان کا مددگار ہوتا ہے

آگے فرمایا کہ ''و لا یسلمه'' یعنی صرف یہ نہیں کہ اس پر ظلم نہیں کرے گا، بلکہ اسے بے یار و مددگار بھی نہیں چھوڑے گا، اگر مسلمان کسی مشکل میں مبتلا ہے یا کسی پریشانی کے اندر مبتلا ہے اور اس کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے تو کوئی مسلمان اس کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا، وہ یہ نہیں سوچے گا کہ جو کچھ پیش آرہا ہے وہ اس کو پیش آرہا ہے، میرا اس سے کیا تعلق؟ میرا تو کچھ نہیں بگڑ رہا ہے اور یہ سوچ کر الگ ہو جائے یہ کام مسلمان کا نہیں ہے بلکہ مسلمان کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے مسلمان پر مصیبت ٹوٹتے ہوئے دیکھ رہا ہے یا کسی کو مشکل اور پریشانی میں گرفتار پا رہا ہے، تو دوسرے مسلمان کو چاہیے کہ حتی الامکان اس کی پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کرے اور یہ نہ سوچے کہ اگر میں اس کے کام میں لگ گیا تو میرا وقت ضائع ہو جائے گا یا میں پھنس جاؤں گا۔

موجودہ دور کا ایک عبرت آموز واقعہ

جس دور سے ہم گزر رہے ہیں یہ دور ایسا آگیا ہے کہ اس میں انسانیت کی قدریں بدل گئیں، انسان انسان نہ رہا، ایک وقت وہ تھا کہ اگر کسی انسان کو چلتے ہوئے ٹھوکر بھی لگ جاتی اور وہ گر پڑتا تو دوسرا انسان اس کو اٹھانے کے لیے اور

کھڑا کرنے کے لیے اور سہارا دینے کے لیے آگے بڑھتا، اگر سڑک پر کوئی حادثہ پیش آجاتا تو ہر انسان آگے بڑھ کر اس کی مدد کرنے کی کوشش کرتا تھا، لیکن آج ہمارے اس دور میں جو صورت ہو چکی ہے، اس کو میں اپنے سامنے ہونے والے ایک واقعہ کے ذریعے بیان کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک گاڑی ایک شخص کو ٹکر مارتے ہوئے چلی گئی، اب وہ شخص ٹکر کھا کر چاروں شانے چت سڑک پر گر گیا، اس واقعہ کے بعد کم از کم بیس، پچیس گاڑیاں وہاں سے گزر گئیں ہر گاڑی والا جھانک کر اس گرے ہوئے شخص کو دیکھتا اور آگے روانہ ہو جاتا کسی اللہ کے بندے کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ گاڑی سے اتر کر اس کی مدد کرتا، اس کے باوجود آج کے لوگوں کو اپنے بارے میں مہذب اور شائستہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ اسلام تو بہت آگے کی چیز ہے، لیکن ایسے موقع پر ایک انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اتر کر دیکھ تو لے کہ اس کو کیا تکلیف پہنچی ہے اور اس کی جتنی مدد کر سکتا ہے کر دے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمادیا کہ ایک مسلمان یہ کام نہیں کر سکتا کہ وہ دوسرے مسلمان کو اس طرح بے یار و مددگار چھوڑ کر چلا جائے، بلکہ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اگر وہ دوسرے مسلمان کو کسی مصیبت میں گرفتار پائے یا کسی پریشانی یا مشکل میں دیکھے تو حتی الامکان اس کی اس پریشانی اور مصیبت کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زندگی بھر یہ معمول رہا کہ جب بھی کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہوتا کہ اس کو فلاں چیز کی ضرورت ہے یا یہ مشکل میں گرفتار

ہے تو آپ بے چین ہو جاتے اور جب تک اپنی استطاعت کے مطابق اس کی مدد کی کوشش نہ فرما لیتے، آپ کو چین نہ آتا تھا، صرف صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کفار سے معاہدہ کر لیا اور اس معاہدہ کے نتیجے میں آپ ان مسلمانوں کی مدد نہ کرنے پر اور ان کو واپس کرنے پر مجبور تھے جو مسلمان مکہ مکرمہ سے بھاگ کر مدینہ طیبہ آجاتے، اس لیے آپ نے فرمایا کہ میں واپس کرنے پر مجبور ہوں، اس واقعہ کے علاوہ شاید کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے کسی مسلمان کو مشکل اور تکلیف میں دیکھ کر اس کی مدد نہ فرمائی ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بھائی بھائی بن جاؤ

(اصلاحی خطبات ۶/ ۱۴۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بھائی بھائی بن جاؤ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۱)

(۱) سورۃ الحجرات آیت (۱۰)۔

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

آیت کا مفہوم

یہ آیت جو ابھی میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا تمہارے دو بھائیوں کے درمیان کوئی رنجش یا لڑائی ہوگئی ہو تو تمہیں چاہیے کہ ان کے درمیان صلح کراؤ اور صلح کرانے میں اللہ سے ڈرو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سزاوار اور مستحق ہو جاؤ۔

جھگڑے دین کو مونڈنے والے ہیں

قرآن وسنت میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے باہمی جھگڑے کسی قیمت پر پسند نہیں، مسلمانوں کے درمیان لڑائی ہو یا جھگڑا ہو یا ایک دوسرے سے کھچاؤ اور تناؤ کی صورت پیدا ہو یا رنجش ہو یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، بلکہ حکم یہ ہے کہ حتی الامکان اس آپس کی رنجشوں اور جھگڑوں کو اور باہمی نفرتوں اور عداوتوں کو کسی طرح ختم کرو۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جو نماز، روزے اور صدقے سے بھی افضل ہے؟ ارشاد فرمایا:

"صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ" (۱)

یعنی آپس کے میل جول اور روابط کو بہتر بنانا۔ (اور اس کے برعکس) آپس کے میل جول اور روابط میں پھوٹ ڈالنا (دین کو) مونڈنے والی خصلت ہے۔

یعنی مسلمانوں کے درمیان آپس میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں، فساد برپا ہوجائے، ایک دوسرے کا نام لینے کے روادار نہ رہیں۔ ایک دوسرے سے بات نہ کریں، بلکہ ایک دوسرے سے زبان اور ہاتھ سے لڑائی کریں، یہ چیزیں انسان کے دین کو مونڈ دینے والی ہیں، یعنی انسان کے اندر جو دین کا جذبہ ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا جو جذبہ ہے وہ اس کے ذریعے ختم ہو جاتا ہے، بالآخر انسان کا دین تباہ ہوجاتا ہے، اس لیے فرمایا کہ آپس کے جھگڑے اور فساد سے بچو۔

باطن کو تباہ کرنے والی چیز

بزرگوں نے فرمایا کہ آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا اور ایک دوسرے سے بغض اور عداوت رکھنا یہ انسان کے باطن کو اتنا زیادہ تباہ کرتا ہے کہ اس سے زیادہ تباہ کرنے والی چیز کوئی اور نہیں ہے۔ اب اگر انسان نماز بھی پڑھ رہا ہے، روزے بھی رکھ رہا ہے تسبیحات بھی پڑھ رہا ہے، وظیفے اور نوافل کا بھی پابند ہے، ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اگر وہ انسان لڑائی جھگڑے میں لگ جاتا ہے تو یہ لڑائی

---

(۱) سنن ابی داود ۲۸۰/٤ (٤٩١٩) وسنن الترمذی ۲۷۹/٤ (۲۵۰۹) وقال هذا حديث حسن صحيح۔

جھگڑا اس کے باطن کو تباہ و برباد کردیگا اور اس کو اندر سے کھوکھلا کر دے گا، اس لیے کہ اس لڑائی کے نتیجے میں اس کے دل میں دوسرے کی طرف سے بغض ہوگا اور اس بغض کی خاصیت یہ ہے کہ انسان کو کبھی انصاف پر قائم نہیں رہنے دیتا، لہٰذا وہ انسان دوسرے کے ساتھ کبھی ہاتھ سے زیادتی کرے گا، کبھی زبان سے زیادتی کرے گا، کبھی دوسرے کا مالی حق چھیننے کی کوشش کرے گا۔

اللہ کی بارگاہ میں اعمال کی پیشی

صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر پیر کے دن اور جمعرات کے دن تمام انسانوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، یوں تو ہر وقت ساری مخلوق کے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کے عمل سے واقف ہیں یہاں تک دلوں کے بھید کو جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کس وقت کیا خیال آرہا ہے؟ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش کیے جاتے ہیں؟ بات دراصل یہ ہے کہ ویسے تو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہت کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ ان دنوں میں مخلوق کے اعمال پیش کیے جائیں تاکہ ان کی بنیاد پر ان کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

وہ شخص روک لیا جائے

بہرحال! اعمال پیش ہونے کے بعد جب کسی انسان کے بارے میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص اس ہفتے کے اندر ایمان کی حالت میں رہا اور اس

نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں آج کے دن اس کی مغفرت کا اعلان کرتا ہوں۔ یعنی یہ شخص ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، بلکہ کسی نہ کسی وقت جنت میں ضرور داخل ہو جائے گا، لہٰذا اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں، لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ یہ اعلان بھی فرمادیتے ہیں:

”اِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا“(۱)

لیکن جن دو شخصوں کے درمیان آپس میں کینہ اور بغض ہو ان کو روک لیا جائے، ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ میں ابھی نہیں کرتا، یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان آپس میں صلح نہ ہو جائے۔

بغض سے کفر کا اندیشہ

سوال یہ ہے کہ اس شخص کے جنتی ہونے کا اعلان کیوں روک دیا گیا؟ بات دراصل یہ ہے کہ یوں تو جو شخص بھی کوئی گناہ کرے گا، قاعدے کے اعتبار سے اس کو اس گناہ کا بدلہ ملے گا اس کے بعد جنت میں جائے گا، لیکن اور جتنے گناہ ہیں ان کے بارے میں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ وہ گناہ اس کو کفر اور شرک میں مبتلا کردیں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چونکہ صاحبِ ایمان ہے اس لیے اس کے جنتی ہونے کا اعلان ابھی کردو، جہاں تک اس کے گناہوں کا تعلق ہے تو

(۱) صحیح مسلم ۱۹۸۷/٤ (۲٥٦٥) وسنن ابی داود ۲۷۹/٤ (٤٩١٦)۔

اگر یہ ان سے توبہ کر لے گا تو معاف ہو جائیں گے اور اگر توبہ نہیں کرے گا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ ان گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں چلا جائے گا، لیکن بغض اور عداوت ایسے گناہ ہیں کہ ان کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں یہ اس کو کفر اور شرک میں مبتلا نہ کر دیں اور اس کا ایمان سلب نہ ہو جائے، اس لیے ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ اس وقت تک کے لیے روک دو جب تک یہ دونوں آپس میں صلح نہ کر لیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں میں آپس کا باہم بغض اور نفرت کتنا ناپسند ہے۔

شب براءت میں بھی مغفرت نہیں ہوگی

شب براءت کے بارے میں یہ حدیث آپ حضرات نے سنی ہوگی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت انسانوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس رات میں اللہ تعالیٰ اتنے لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں جتنے قبیلہ کلب کی بکریوں کے جسم پر بال ہیں“۔ (۱) لیکن دو آدمی ایسے ہیں کہ ان کی مغفرت اس رات میں بھی نہیں ہوتی ایک وہ شخص جس کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے بغض ہو، کینہ ہو اور عداوت ہو، وہ رات جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، رحمت کی ہوائیں چل رہی ہیں اس حالت میں بھی وہ شخص اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محروم رہتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس نے اپنا زیر جامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکایا ہوا ہو اس کی

---

(۱) سنن الترمذی ۲/۱۰۸ (۷۳۹) وقال حدیث عائشة لانعرفه الا من هذا الوجه من حدیث الحجاج وسمعت محمدا یضعف هذا الحدیث۔ وسنن ابن ماجه ۲/۵۰۸ (۱۳۸۹)۔

بھی مغفرت نہیں ہوگی(۱)۔

بغض کی حقیقت

اور ''بغض'' کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے شخص کی بدخواہی کی فکر کرنا کہ اس کو کسی طرح نقصان پہنچ جائے یا اس کی بدنامی ہو، لوگ اس کو برا سمجھیں اس پر کوئی بیماری آجائے، اس کی تجارت بند ہو جائے یا اس کو تکلیف پہنچ جائے تو اگر دل میں دوسرے شخص کی طرف سے بدخواہی پیدا ہو جائے اس کو (بغض) کہتے ہیں، لیکن اگر ایک شخص مظلوم ہے کسی دوسرے شخص نے اس پر ظلم کیا ہے تو ظاہر ہے کہ مظلوم کے دل میں ظالم کے خلاف جذبات پیدا ہوجائیں اور اس کا مقصد اپنے آپ سے اس ظلم کو دفع کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ ظلم نہ کرے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس ظالم سے ظلم کا بدلہ لینے کی اور اپنے سے ظلم کا دفاع کرنے کی بھی اجازت دی ہے، چنانچہ اس وقت مظلوم اس ظالم کے اس ظلم کو تو اچھا نہ سمجھے بلکہ اس کو برا سمجھے، لیکن اس وقت بھی اس ظالم کی ذات سے کوئی کینہ نہ رکھے اس کی ذات سے بغض نہ کرے اور نہ بدخواہی کی فکر کرے تو مظلوم کا یہ عمل بغض میں داخل نہ ہوگا۔

حسد اور کینہ کا بہترین علاج

یہ ''بغض'' حسد سے پیدا ہوتا ہے۔ دل میں پہلے دوسرے کی طرف سے حسد پیدا ہوتا ہے کہ وہ آگے بڑھ گیا، میں پیچھے رہ گیا اور اب اس کے آگے

(۱) شعب الایمان ۳۶۲/۵ (۳۵۵۶) وقال ھذا اسناد ضعیف وروی من وجہ آخر۔ وللحدیث شواھد انظر الترغیب للمنذری ۳۰۷/۳ ومجمع الزوائد للھیثمی ۶۵/۸ (۱۲۹۵۷-۱۲۹۶۷)۔

بڑھ جانے کی وجہ سے دل میں جلن اور کڑھن ہو رہی ہے، گھٹن ہو رہی ہے اور دل میں یہ خواہش ہو رہی ہے کہ میں اس کو کسی طرح کا نقصان پہنچاؤں اور نقصان پہنچانا قدرت اور اختیار میں نہیں ہے اس کے نتیجے میں جو گھٹن پیدا ہو رہی ہے اس سے انسان کے دل میں ''بغض'' پیدا ہو جاتا ہے، لہٰذا بغض سے بچنے کا پہلا راستہ یہ ہے کہ اپنے دل سے پہلے حسد کو ختم کرے اور بزرگوں نے حسد دور کرنے کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ حسد پیدا ہو جائے کہ وہ مجھ سے آگے کیوں بڑھ گیا تو اس حسد کا علاج یہ ہے کہ وہ اس شخص کے حق میں یہ دعا کرے کہ یا اللہ! اس کو اور ترقی عطا فرما، جس وقت اس کے حق میں یہ دعا کرے گا اس وقت دل پر آرے چل جائیں گے، اس کے لیے دل تو یہ چاہ رہا ہے کہ اس کی ترقی نہ ہو، بلکہ نقصان ہو جائے، لیکن زبان سے وہ یہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ! اس کو اور ترقی عطا فرما، چاہے دل پر آرے چل جائیں، لیکن بتکلّف اور زبردستی اس کے حق میں دعا کرے۔ حسد دور کرنے کا یہ بہترین علاج ہے اور جب حسد دور ہو جائے گا تو ان شاء اللہ بغض بھی دور ہو جائے گا، لہٰذا ہر شخص اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ لے اور جس کے بارے میں بھی یہ خیال ہو کہ اس کی طرف سے دل میں بغض یا کینہ ہے تو اس شخص کو اپنی پنج وقت نمازوں کی دعاؤں میں شامل کر لے یہ حسد اور کینہ کا بہترین علاج ہے۔

دشمنوں پر رحم، نبی کی سیرت

دیکھیے مشرکین مکہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر ظلم کرنے اور آپ کو تکلیف دینے اور ایذاء پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہاں تک

کہ آپ کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ اعلان کر دیا کہ جو شخص حضورِ اقدس ﷺ کو پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں ملیں گے۔ غزوہ احد کے موقع پر آپ ﷺ پر تیروں کی بارش کی حتی کہ آپ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا، دندان مبارک شہید ہوئے، لیکن اس موقع پر آپ ﷺ کی زبان پر یہ دعا تھی کہ

"اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ"(۱)

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرمایئے ان کو علم نہیں ہے، یہ ناواقف اور جاہل ہیں، میری بات نہیں سمجھ رہے ہیں، اس لیے میرے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔

اندازہ لگایئے کہ وہ لوگ ظالم تھے اور ان کے ظلم میں کوئی شک نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کے دل میں ان کی طرف سے بغض اور کینہ کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تو یہ بھی نبی کریم ﷺ کی عظیم سنت اور آپ کا اسوہ ہے کہ بدخواہی کا بدلہ بدخواہی سے نہ دیں، بلکہ اس کے حق میں دعا کریں اور یہی حسد اور بغض کو دور کرنے کا بہترین علاج ہے۔

بہر حال! میں عرض کر رہا تھا کہ یہ آپس کے جھگڑے آخر کار دل میں بغض اور حسد پیدا کر دیتے ہیں، اس لیے کہ جب جھگڑا لمبا ہو تو دل میں بغض ضرور پیدا ہوگا اور جب بغض پیدا ہوگا تو دل کی دنیا تباہ ہو جائے گی اور باطن خراب ہوگا اور اس کے نتیجے میں انسان اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا، اس لیے حکم یہ ہے کہ آپس کے جھگڑے سے بچو، ان سے دور رہو۔

---

(۱) الأحادیث المختارۃ للضیاء المقدسی ۱۳/۱۰(۲) و شعب الإیمان للبیهقی ۴۵/۳(۱۳۷۵) اور صحیح البخاری ۱۷۵/٤ (۳٤۷۷) پر الفاظ ہیں "اللّٰهمّ اغفرلی قومی فإنّهم لا یعلمون". عنایت

جھگڑا علم کا نور زائل کر دیتا ہے

یہاں تک کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جھگڑا تو جسمانی ہوتا ہے، جس میں ہاتھا پائی ہوتی ہے اور ایک جھگڑا پڑھے لکھوں کا اور علماء کا ہوتا ہے، وہ ہے مجادلہ، مناظرہ اور بحث ومباحثہ۔ ایک عالم نے ایک بات پیش کی دوسرے نے اس کے خلاف بات کی، اس نے ایک دلیل دی، دوسرے نے اس کی دلیل کا رد لکھ دیا۔ سوال وجواب اور رد وقدح کا ایک لا متناہی سلسلہ چل پڑتا ہے، اس کو بھی بزرگوں نے کبھی پسند نہیں فرمایا، اس لیے کہ اس کی وجہ سے باطن کا نور زائل ہو جاتا ہے، چنانچہ یہی حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"المراء فی العلم یذھب بنور العلم"(۱)

"یعنی علمی جھگڑے علم کے نور کو زائل کر دیتے ہیں"۔

دیکھیے، ایک تو ہوتا ہے "مذاکرہ" مثلاً ایک عالم نے ایک مسئلہ پیش کیا، دوسرے عالم نے کہا کہ اس مسئلے میں مجھے فلاں اشکال ہے، اب دونوں بیٹھ کر افہام وتفہیم کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ "مذاکرہ" ہے، یہ بڑا اچھا عمل ہے، لیکن یہ جھگڑا کہ ایک عالم نے دوسرے کے خلاف ایک مسئلے کے سلسلے میں اشتہار شائع کر دیا ہے یا کوئی پمفلٹ یا کتاب شائع کر دی، اب دوسرے عالم نے اس کے خلاف کتاب شائع کر دی اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا یا ایک عالم نے دوسرے کے خلاف تقریر کر دی دوسرے عالم نے اس کے خلاف

---

(۱) ترتیب المدارك وتقریب المسالك ۳۹/۲ طبع مطبعة الفضالة المحمدیة۔المغرب۔وفتح الباری لابن حجر ۲۶۳/۱۳۔

تقریر کردی اور یوں مخالفت برائے مخالفت کا سلسلہ قائم ہوگیا، یہ ہے (مجادلہ اور جھگڑا) جس کو ہمارے بزرگوں نے، ائمہ دین نے بالکل پسند نہیں فرمایا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی قوت کلام

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے قوت کلام میں ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص کسی بھی مسئلہ پر بحث ومباحثہ کے لیے آجاتا تو آپ چند منٹ میں اس کو لاجواب کر دیتے تھے، بلکہ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ واقعہ نے سنایا کہ ایک مرتبہ آپ بیمار تھے اور بستر پر لیٹے ہوئے تھے، اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ

> الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بھروسے پہ یہ بات کہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا کے عقل مند لوگ جمع ہو کر آجائیں اور اسلام کے کسی بھی معمولی سے مسئلے پر کوئی اعتراض کریں تو ان شاء اللہ یہ ناکارہ دو منٹ میں ان کو لاجواب کرسکتا ہے، پھر فرمایا کہ میں تو ایک ادنیٰ طالب علم ہوں، علماء کی تو بڑی شان ہے۔

چنانچہ واقعہ یہ تھا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے پاس کوئی آدمی کسی مسئلے پر بات چیت کرتا تو چند منٹ سے زیادہ نہیں چل سکتا تھا۔

مناظرہ سے عموماً فائدہ نہیں ہوتا

خود حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں دارالعلوم دیوبند سے

درسِ نظامی کر کے فارغ ہوا تو اس وقت مجھے باطل فرقوں سے مناظرہ کرنے کا بہت شوق تھا، چنانچہ کبھی شیعوں سے مناظرہ ہو رہا ہے، کبھی غیر مقلدین سے تو کبھی بریلویوں سے، کبھی ہندوؤں سے اور کبھی سکھوں سے مناظرہ ہو رہا ہے، چونکہ نیا نیا فارغ ہوا تھا اس لیے شوق اور جوش میں یہ مناظرے کرتا رہا، لیکن بعد میں میں نے مناظرے سے توبہ کر لی، اس لیے کہ تجربہ یہ ہوا اس سے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اپنی باطنی کیفیات پر اس کا اثر پڑتا ہے، اس لیے میں نے اس کو چھوڑ دیا، بہر حال! جب ہمارے بزرگوں نے حق و باطل کے درمیان بھی مناظرے کو پسند نہیں فرمایا تو پھر اپنی نفسانی خواہشات کی بنیاد پر یا دنیاوی معاملات کی بنیاد پر مناظرہ کرنے اور لڑائی جھگڑا کرنے کو کیسے پسند فرما سکتے ہیں، یہ جھگڑا ہمارے باطن کو خراب کر دیتا ہے۔

جنت میں گھر کی ضمانت

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”أنا زعيم ببيت في وسط الجنة لمن ترك المراء وهو محق“(۱)

یعنی میں اس شخص کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمے دار ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔

یعنی جو شخص حق پر ہونے کے باوجود یہ خیال کرتا ہے کہ اگر میں حق کا

(۱) سنن الترمذی ۳/۵۳۰(۱۹۹۳) وقال هذا الحديث حديث حسن۔ وسنن ابن ماجه ۱/۷۸(۵۱) ومسند الرويانی ۲/۲۷۹ (۱۲۰۰) طبع مؤسسة قرطبة ، والمعجم الكبير للطبرانی ۸/۱۸۶ (۷۷۷۰) طبع مكتبة ابن تيمية وأصله فی سنن أبی داود ٤/۲۵۳(٤٨٠٠).

زیادہ مطالبہ کروں گا تو جھگڑا ہو جائے گا، چلو اس حق کو چھوڑ دوں، تاکہ جھگڑا ختم ہو جائے، اس کے لیے حضورِ اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں اس کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ حضور ﷺ کو جھگڑا ختم کرانے کی کتنی فکر تھی، تاکہ آپس کے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ ہاں! اگر کہیں معاملہ بہت آگے بڑھ جائے اور قابل برداشت نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کی اجازت ہے کہ مظلوم ظالم کا دفاع بھی کرے، اور اس سے بدلہ لینا بھی جائز ہے، لیکن حتی الامکان یہ کوشش ہو کہ جھگڑا ختم ہو جائے۔

جھگڑوں کے نتائج

آج ہمارا معاشرہ جھگڑوں سے بھر گیا ہے، اس کی بے برکتی اور ظلمت پورے معاشرے میں اس قدر چھائی ہوئی ہے کہ عبادتوں کے نور محسوس نہیں ہوتے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے ہو رہے ہیں، کہیں خاندانوں میں جھگڑے ہیں، تو کہیں میاں بیوی میں جھگڑا ہے، کہیں دوستوں میں جھگڑا ہے، کہیں بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہے، کہیں رشتہ داروں میں جھگڑا ہے اور تو اور علماء کے درمیان آپس میں جھگڑے ہو رہے ہیں، اہل دین میں جھگڑے ہو رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں دین کا نور ختم ہو چکا ہے۔

جھگڑے کس طرح ختم ہوں؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ جھگڑے کس طرح ختم ہوں؟ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کا ایک ملفوظ آپ حضرات کو سناتا ہوں، جو بڑا زرین اصول ہے، اگر انسان اس اصول پر عمل کر لے تو امید ہے کہ

۷۵ فیصد جھگڑے تو وہیں ختم ہو جائیں، چنانچہ فرمایا کہ

> ''ایک کام یہ کرلو کہ دنیا والوں سے امید باندھنا چھوڑ دو، جب امید چھوڑ دو گے تو ان شاء اللہ پھر دل میں کبھی بغض اور جھگڑے کا خیال نہیں آئے گا''۔

دوسرے لوگوں سے جو شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ فلاں شخص کو ایسا کرنا چاہیے تھا، اس نے نہیں کیا، جیسی میری عزت کرنی چاہیے تھی اس نے ایسی عزت نہیں کی، جیسی میری خاطر مدارات کرنی چاہیے تھی، اس نے ویسی نہیں کی یا فلاں شخص کے ساتھ میں نے فلاں احسان کیا تھا، اس نے اس کا بدلہ نہیں دیا، وغیرہ وغیرہ، یہ شکایتیں اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ دوسروں سے توقعات وابستہ کر رکھی ہیں اور جب وہ توقع پوری نہیں ہوئی تو اس کے نتیجے میں دل میں گرہ پڑ گئی کہ اس نے میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا اور دل میں شکایت پیدا ہو گئی۔ ایسے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تمہیں کسی سے کوئی شکایت پیدا ہو جائے تو اس سے جا کر کہہ دو کہ مجھے تم سے یہ شکایت ہے، تمہاری یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی مجھے بری لگی، پسند نہیں آئی، یہ کہہ کر اپنا دل صاف کرلو، لیکن آج کل بات کہہ کر دل صاف کرنے کا دستور ختم ہو گیا، بلکہ اب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو اور اس شکایت کو دل میں لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے بعد کسی اور موقع پر کوئی اور بات پیش آ گئی، ایک گرہ اور پڑ گئی، چنانچہ آہستہ آہستہ دل میں گرہیں پڑتی چلی جاتی ہیں، وہ پھر بغض کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور بغض کے نتیجے میں آپس میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔

توقعات مت رکھو

اس لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جھگڑے کی جڑ اس طرح کاٹو کہ کسی سے کوئی توقع ہی مت رکھو، کیا مخلوق سے توقعات وابستہ کیے بیٹھے ہو کہ فلاں یہ دے دے گا، فلاں یہ کام کردے گا، توقع تو صرف اس سے وابستہ کرو جو خالق اور مالک ہے، بلکہ دنیا والوں سے تو برائی کی توقع رکھو کہ ان سے تو ہمیشہ برائی ہی ملے گی اور پھر برائی کی توقع رکھنے کے بعد اگر کبھی اچھائی مل جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ! آپ کا شکر اور احسان ہے اور اگر برائی ملے تو پھر خیال کرلو کہ مجھے تو پہلے ہی برائی کی توقع تھی، تو اب اس کے نتیجے میں دل میں شکایت اور بغض پیدا نہیں ہوگا اور پھر دشمنی بھی پیدا نہیں ہوگی، نہ جھگڑا ہوگا، لہٰذا کسی سے توقع مت رکھو۔

بدلہ لینے کی نیت مت کرو

اسی طرح حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک اور اصول یہ بیان فرمایا کہ جب تم کسی دوسرے کے ساتھ کوئی نیکی کرو یا اچھا سلوک کرو، تو صرف اللہ کو راضی کرنے کے لیے کرو۔ مثلاً کسی کی مدد کرو یا کسی شخص کی سفارش کرو کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو یا کسی کی عزت کرو تو یہ سوچ کر کرو کہ میں اللہ کو راضی کرنے کے لیے یہ برتاؤ کررہا ہوں، اپنی آخرت سنوارنے کے لیے یہ کام کررہا ہوں، جب اس نیت کے ساتھ اچھا برتاؤ کروگے تو اس صورت میں اس برتاؤ پر بدلہ کا انتظار نہیں کروگے، اب اگر فرض کریں کہ آپ نے ایک شخص کے ساتھ اچھا سلوک کیا مگر اس شخص نے تمہارے اچھے سلوک کا بدلہ اچھائی کے ساتھ نہیں دیا اور اس

نے تمہارے احسان کرنے کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں ضرور یہ خیال پیدا ہوگا کہ میں نے تو اس کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا اور اس نے میرے ساتھ الٹا سلوک کیا، لیکن اگر آپ نے اس کے ساتھ اچھا سلوک صرف اللہ کو راضی کرنے کے لیے کیا تھا تو اس صورت میں اس کی طرف سے برے سلوک پر کبھی شکایت پیدا نہیں ہوگی، اس لیے کہ آپ کا مقصد تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا تھی، اگر ان دو اصولوں پر ہم سب عمل کرلیں تو پھر آپس کے تمام جھگڑے ختم ہو جائیں اور اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے، جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، جس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے تو میں اس شخص کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم قربانی

ہم نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کی پوری زندگی میں اس حدیث پر عمل کرنے کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ جھگڑا ختم کرنے کی خاطر بڑے سے بڑا حق چھوڑ کر الگ ہو گئے، ان کا ایک واقعہ سناتا ہوں جس پر آج لوگوں کو یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، یہ دارالعلوم جو اس وقت کورنگی میں قائم ہے، پہلے نانک واڑہ میں ایک چھوٹی سی عمارت میں قائم تھا، جب کام زیادہ ہوا تو اس کے لیے وہ جگہ تنگ پڑ گئی، وسیع اور کشادہ جگہ کی ضرورت تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ایسی مدد ہوئی کہ بالکل شہر کے وسط میں حکومت کی طرف سے ایک بہت بڑی اور کشادہ جگہ مل گئی، جہاں آج کل اسلامیہ کالج قائم ہے۔ جہاں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی ہے۔ یہ کشادہ جگہ

دارالعلوم کراچی کے نام الاٹ ہوگئی، اس زمین کے کاغذات مل گئے، قبضہ مل گیا اور ایک کمرہ بھی بنادیا گیا، ٹیلیفون بھی لگ گیا۔ اس کے بعد دارالعلوم کا سنگِ بنیاد رکھتے وقت ایک جلسہ تاسیس منعقد ہوا، جس میں پورے پاکستان کے بڑے بڑے علماء حضرات تشریف لائے، اس جلسے کے موقع پر کچھ حضرات نے جھگڑا کھڑا کر دیا کہ یہ جگہ دارالعلوم کو نہیں ملنی چاہیے تھی، بلکہ فلاں کو ملنی چاہیے تھی، اتفاق سے جھگڑے میں ان لوگوں نے ایسے بعض بزرگ ہستیوں کو بھی شامل کرلیا، جو حضرت والد صاحب کے لیے باعثِ احترام تھے، والد صاحب نے پہلے تو یہ کوشش کی کہ یہ جھگڑا کسی طرح ختم ہو جائے، لیکن وہ ختم نہیں ہوا، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سوچا کہ جس مدرسے کا آغاز ہی جھگڑے سے ہورہا ہے تو اس مدرسے میں کیا برکت ہوگی؟ چنانچہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا یہ فیصلہ سنادیا کہ میں اس زمین کو چھوڑتا ہوں۔

مجھے اس میں برکت نظر نہیں آتی

دارالعلوم کی مجلسِ منتظمہ نے یہ فیصلہ سنا تو انہوں نے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت! یہ آپ کیسا فیصلہ کررہے ہیں؟ اتنی بڑی زمین، وہ بھی شہر کے وسط میں ایسی زمین ملنا بھی مشکل ہے، اب جبکہ یہ زمین آپ کو مل چکی ہے، آپ کا اس پر قبضہ بھی ہے، آپ ایسی زمین کو چھوڑ کر الگ ہورہے ہیں؟ حضرت والد صاحب نے جواب میں فرمایا کہ میں مجلس منتظمہ کو اس زمین کے چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتا، اس لیے کہ مجلس منتظمہ درحقیقت اس زمین کی مالک ہوچکی ہے، آپ حضرات اگر چاہیں تو مدرسہ بنالیں، میں اس میں شمولیت اختیار نہیں کروں گا، اس لیے کہ جس مدرسے کی بنیاد جھگڑے پر رکھی جارہی ہو اس مدرسے میں مجھے

برکت نظر نہیں آتی، پھر حدیث سنائی کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے میں اس کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں، آپ حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ شہر کے بیچوں بیچ ایسی زمین کہاں ملے گی؟ لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں اس کو جنت کے بیچ میں گھر دلواؤں گا، یہ کہہ کر اس زمین کو چھوڑ دیا، آج کے دور میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے کہ کوئی شخص اس طرح جھگڑے کی وجہ سے اتنی بڑی زمین چھوڑ دے، لیکن جس شخص کا نبی کریم ﷺ کے ارشاد پر کامل یقین ہے، وہی یہ کام کر سکتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ چند ہی مہینوں کے بعد اس زمین سے کئی بڑی زمین عطا فرمادی جہاں آج دارالعلوم قائم ہے۔ یہ تو میں نے آپ حضرات کے سامنے ایک مثال بیان کی، ورنہ حضرت والد صاحب کو ہم نے ساری زندگی حتی الامکان اس حدیث پر عمل کرتے دیکھا، ہاں! البتہ جس جگہ دوسرا شخص جھگڑے کے اندر پھانس ہی لے اور دفاع کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو الگ بات ہے، ہم لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں کہ فلاں موقع پر فلاں شخص نے یہ بات کہی تھی، فلاں نے ایسا کیا تھا، اب ہمیشہ کے لیے اس کو دل میں بٹھا لیا اور جھگڑا ہو گیا، آج ہمارے پورے معاشرے کو اس چیز نے تباہ کر دیا ہے یہ جھگڑا انسان کے دین کو مونڈ دیتا ہے اور انسان کے باطن کو تباہ کر دیتا ہے اس لیے خدا کے لیے آپس کے جھگڑوں کو ختم کر دو اور اگر دو مسلمان بھائیوں میں جھگڑا دیکھو تو ان کے درمیان صلح کرانے کی پوری کوشش کرو۔

صلح کرانا صدقہ ہے

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: «کُلُّ

سُلَامَی مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ، وَيُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ فَيَحْمِلُ عَلَيْهَا اَوْيَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ، وَالكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا اِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ، وَيُمِيطُ الاَذَىٰ عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ»(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں ہر جوڑ کی طرف سے انسان کے ذمے روزانہ ایک صدقہ کرنا واجب ہے، اس لیے کہ ہر جوڑ ایک مستقل نعمت ہے اور ہر نعمت پر شکر ادا کرنا واجب ہے اور ایک انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہیں لہٰذا ہر انسان کے ذمے روزانہ تین سو ساٹھ صدقے واجب ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس صدقے کو اتنا آسان فرمایا کہ انسان کے چھوٹے چھوٹے عمل کو صدقہ کے اندر شمار فرمادیا ہے، تاکہ کسی طرح تین سو ساٹھ کی گنتی پوری ہو جائے، چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، کہ دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا اور رنجش تھی، تم نے ان دونوں کے درمیان مصالحت کرادی، یہ

(۱) صحیح البخاری ٤/٥٦ (۲۹۸۹) وصحیح مسلم ۲/٦٩٩ (۱۰۰۹) ورياض الصالحين ۷۳ (۱۲۲) طبع موسسة الرسالة.

مصالحت کرانا ایک صدقہ ہے، اسی طرح ایک شخص اپنے گھوڑے پر یا سواری پر سوار ہونا چاہ رہا تھا، لیکن کسی وجہ سے اس سے سوار نہیں ہوا جارہا تھا، اب تم نے سوار ہونے میں اس کی مدد کردی اور اس کو سہارا دیدیا، یہ سہارا دیدینا اور سوار کرادینا ایک صدقہ ہے یا ایک شخص اپنی سواری پر سامان لادنا چاہتا تھا، لیکن اس بیچارے سے لادا نہیں جارہا تھا اب تم نے اس کی مدد کرتے ہوئے وہ سامان لدوادیا اور اس کی سواری پر رکھ دیا یہ بھی ایک صدقہ ہے، اس طرح کسی شخص سے کوئی اچھا کلمہ کہہ دیا، مثلاً کوئی غمزدہ آدمی تھا، تم نے اس کو کوئی تسلی کا کلمہ کہہ دیا اور اس کی تسلی کردی یا کسی سے کوئی بات ایسی کہہ دی جس سے اس مسلمان کا دل خوش ہوگیا۔ یہ بھی ایک صدقہ ہے، اسی طرح جب نماز کے لیے تم مسجد کی طرف جارہے ہو تو ہر قدم جو مسجد کی طرف اٹھ رہا ہے وہ ایک صدقہ شمار ہو رہا ہے، اس طرح راستے میں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہے، جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے، آپ نے اس کو راستے سے ہٹا دیا، یہ بھی ایک صدقہ ہے۔

بہر حال! اس حدیث میں سب سے پہلی چیز جس کو صدقہ شمار کرایا ہے وہ ہے دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا، اس سے معلوم ہوا کہ صلح کرانا اجر وثواب کا موجب ہے۔

اسلام کا کرشمہ

وعن ام كلثوم بنت عقبة بن ابی معیط رضی اللہ عنہا قالت: سمعت رسول الله ﷺ يقول: «لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِي خَيْرًا أَوْيَقُوْلُ خَيْرًا». (۱)

یہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں اور عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ہیں اور عقبہ بن ابی معیط حضورِ اقدس سرورِ دو عالم ﷺ کا جانی دشمن تھا، انتہاء درجے کا مشرک اور حضورِ اقدس ﷺ کو تکلیف پہنچانے والے جیسے ابوجہل اور امیہ بن ابی خلف تھے، جو کٹر قسم کے مشرک تھے، یہ بھی انہیں میں سے تھا، تو ایک طرف باپ تو ایسا دشمن اسلام تھا، دوسری طرف اس کی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت عطا فرمائی اور صحابیہ بن گئیں۔

ایسا شخص جھوٹا نہیں

بہر حال! حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان مصالحت کی خاطر کوئی اچھی بات ادھر سے ادھر پہنچا دیتا ہے یا ایک کی بات دوسرے کو اس انداز سے نقل کرتا ہے، کہ اس کے دل میں دوسرے کی قدر پیدا ہو اور نفرت دور ہو جائے ایسا شخص کذاب اور جھوٹا نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ایسی بات کہتا ہے جو بظاہر سچ نہیں ہے، لیکن وہ بات اس لیے کہہ رہا ہے تاکہ اس کے دل سے دوسرے مسلمان

(۱) صحیح البخاری ۱۸۳/۳ (۲۶۹۲) وصحیح مسلم ۲۰۱۱/٤ (۲٦۰۵)۔

کی برائی نکل جائے آپس کے دل کا غبار دور ہو جائے اور نفرتیں ختم ہو جائیں، اس مقصد سے اگر وہ ایسی بات کہہ رہا ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں شمار نہیں ہوگا۔

صریح جھوٹ جائز نہیں

علماءِ کرام نے فرمایا کہ صریح جھوٹ بولنا تو جائز نہیں، البتہ گول مول بات کرنا جس کا ظاہری مفہوم تو واقعہ کے خلاف ہے، لیکن دل میں ایسے معنی مراد لے لیے جو واقعہ کے مطابق تھے، مثلاً دو آدمیوں کے درمیان نفرت اور لڑائی ہے، یہ اس کا نام سننے کا روادار نہیں وہ اس کا نام سننے کا روادار نہیں، اب ایک شخص ان میں سے ایک کے پاس گیا تو اس نے دوسرے کی شکایت کرنی شروع کردی کہ وہ تو میرا ایسا دشمن ہے، تو اس شخص نے کہا کہ تم تو اس کی برائیاں بیان کررہے ہو، حالانکہ وہ تو تمہارا بڑا خیر خواہ ہے، اس لیے کہ میں نے خود سنا ہے کہ تمہارے حق میں دعا کر رہا تھا۔

اب دیکھیے کہ اس نے یہ دعا کرتے ہوئے نہیں سنا تھا، مگر اس نے دل میں یہ مراد لیا کہ اس نے یہ دعا کرتے ہوئے سنا تھا کہ ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ'' اے اللہ! تمام مؤمنین کی مغفرت فرما، چونکہ یہ بھی مسلمان تھا، اس لیے یہ بھی اس دعا میں داخل ہو گیا تھا، اب سامنے والا یہ سمجھے گا کہ خاص طور پر میرا نام لے کر دعا کر رہا ہوگا، ایسی بات کہہ دینا جھوٹ میں داخل نہیں، بلکہ ان شاء اللہ اس پر بھی اجر وثواب ملے گا۔

زبان سے اچھی بات نکالو

اور جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر دو مسلمان بھائیوں کے

درمیان صلح کرانے کے ارادے سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسی باتیں ڈال دیتے ہیں کہ اسے ایسی بات کہو جس سے اس کے دل سے دوسرے کی نفرت دور ہو جائے، ایسی بات نہ کہو کہ ان کے درمیان نفرت کی آگ تو پہلے سے لگی ہوئی ہے اور اب آپ نے جا کر ایسی بات سنا دی جس نے آگ پر تیل کا کام کیا اور جس کے نتیجے میں نفرت دور ہونے کے بجائے نفرت کی آگ اور بھڑک گئی، یہ انتہائی درجے کی رذالت کا کام ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی ناپسند ہے۔

صلح کرانے کی اہمیت

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ کا مشہور مقولہ آپ نے سنا ہوگا کہ ''دروغ مصلحت آمیز، بہ از راست فتنہ انگیز'' یعنی ایسا جھوٹ جس کے ذریعے دو مسلمانوں کے درمیان مصالحت مقصود ہو اس سچ سے بہتر ہے جس سچ سے فتنہ پیدا ہو، لیکن اس جھوٹ سے مراد یہ نہیں کہ صریح جھوٹ بول دیا جائے، بلکہ ایسی بات کہہ دے جو دو معنی رکھتی ہو، جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے جھوٹ کی اجازت دیدی تو آپ اسی سے اندازہ لگائیں کہ دو مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ختم کرانے کی کس قدر اہمیت ہے۔

ایک صحابی (رضی اللہ عنہ) کا واقعہ

عن عائشة رضي الله عنها قالت: سمع رسول الله ﷺ صوت خصوم بالباب عالية اصواتهما، واذا احدهما يستوضع الاخر ويسترفقه فی شیء، وهو يقول:

"واللہ لا افعل"، فخرج علیھما رسول اللہ ﷺ
فقال: "این المتألی علی اللہ لا یفعل المعروف"؟
فقال: انا یا رسول اللہ! ولہ ای ذٰلك احب[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے، اتنے میں باہر سے دو آدمیوں کے جھگڑنے کی آواز سنی اور جھگڑا اس بات پر تھا کہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے قرضہ لیا تھا، قرض خواہ دوسرے سے قرض کا مطالبہ کر رہا تھا کہ میرا قرضہ واپس کرو، مقروض یہ کہہ رہا تھا کہ اس وقت میرے اندر سارا قرضہ ادا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، تم کچھ قرضہ لے لو، کچھ چھوڑ دو، اس جھگڑنے کے اندر ان دونوں کی آوازیں بھی بلند ہو رہی تھی اور جھگڑنے کے دوران اس قرض خواہ نے یہ قسم کھالی کہ (واللہ لا افعل) خدا کی قسم میں قرضہ کم نہیں کروں گا، اس دوران حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر سے باہر تشریف لے آئے اور آکر آپ نے پوچھا کہ وہ شخص کہاں ہے جو اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ رہا ہے کہ میں نیک کام نہیں کروں گا؟ اسی وقت وہ شخص آگے بڑھا اور کہا کہ میں ہوں یا رسول اللہ! اور پھر فوراً دوسرا جملہ یہ کہا کہ یہ شخص جتنا چاہے اس قرض میں سے کم دے دے، میں چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔

---

(۱) صحیح البخاری ۳/۱۸۷ (۲۷۰۵) وصحیح مسلم ۳/۱۱۹۱ (۱۵۵۷)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت

یہ تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، کہاں تو جذبات کا یہ عالم تھا کہ آوازیں بلند ہورہی ہیں۔ وہ کم کرانا چاہتے تھے تو یہ کم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور کم نہ کرنے پر قسم بھی کھالی کہ میں کم نہیں کروں گا۔ اس کے بعد نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی سے قرضہ چھوڑنے کا حکم فرمایا اور نہ ہی چھوڑنے کا مشورہ دیا بلکہ صرف اتنا فرمادیا کہ کہاں ہے وہ شخص جو یہ قسم کھا رہا ہے کہ میں نیک کام نہیں کروں گا۔ بس اتنی بات سننے کے بعد وہیں ڈھیلے پڑ گئے اور سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور جھگڑا ختم ہو گیا، وجہ یہ تھی کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اس قدر رام تھے کہ جب آپ کی زبان سے ایک جملہ سن لیا تو اس کے بعد مجال نہیں تھی کہ آگے بڑھ جائیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس جذبہ کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرمادے اور تمام مسلمانوں کے درمیان آپس کے اختلافات اور جھگڑے ختم فرمادے اور تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دوستی اور دشمنی میں اعتدال

(اصلاحی خطبات ۱۰/ ۸۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوستی اور دشمنی میں اعتدال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عن ابی هریرہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ:

«اَحْبِبْ حَبِیْبَکَ هَوْنًا مَّا، عَسٰی اَنْ یَکُوْنَ بَغِیْضَکَ یَوْمًا مَّا، وَاَبْغِضْ بَغِیْضَکَ هَوْنًا مَّا عَسٰی اَنْ یَکُوْنَ

حَبِيبَكَ يَوْمًا مَّا»(۱)

دوستی کرنے کا زرین اصول

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور سند کے اعتبار سے صحیح حدیث ہے۔ یہ بڑی عجیب حدیث ہے اور اس میں بڑا عجیب سبق دیا ہے اور اس میں ہماری پوری زندگی کے لیے زرین اصول بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> اپنے دوست سے دھیرے دھیرے محبت کرو، (یعنی اعتدال سے کرو) کیونکہ ہوسکتا ہے کہ تمہارا وہ دوست کسی دن تمہارا دشمن بن جائے اور مبغوض بن جائے اور جس شخص سے تمہیں دشمنی اور بغض ہے اس کے ساتھ بغض اور دشمنی بھی دھیرے دھیرے کرو، کیا پتہ کہ وہ دشمن کسی دن تمہارا محبوب اور دوست بن جائے۔

اس حدیث میں یہ عجیب تعلیم ارشاد فرمائی کہ دوست سے دوستی اور محبت بھی اعتدال کے ساتھ کرو اور جس سے دشمنی ہو تو اس کے ساتھ دشمنی بھی اعتدال کے ساتھ ہو۔ یاد رکھو! دنیا کی دوستیاں اور محبتیں بھی پائیدار نہیں ہوتیں اور دنیا کی

---

(۱) سنن الترمذی ۵۳۲/۳ (۱۹۹۷) وقال ھذا حدیث غریب لا نعرفه بھذا الاسناد الا من ہذا الوجه۔ والادب المفرد للبخاری ص ٤٤٧ (۱۳۲۱)۔وقال الزبیدی فی "اتحاف السادۃ" ۲۳۳/٦:قال العراقي: رواه الترمذي من حديث ابي هريرة، وقال: غريب، قلت: رجاله رجال مسلم، لكن الراوي تردد في رفعه.

دشمنیاں اور بغض بھی پائیدار نہیں ہوتا، ہوسکتا ہے کہ کسی وقت وہ دوستی دشمنی میں تبدیل ہوجائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی وقت وہ دشمنی دوستی میں تبدیل ہوجائے، اس لیے اعتدال سے آگے نہ بڑھو۔

ہماری دوستی کا حال

اس حدیث میں ان لوگوں کو خاص طور پر زرین تعلیم عطا فرمائی جن کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب ان کی دوستی کسی سے ہوجاتی ہے یا کسی سے تعلق ہوجاتا ہے اور محبت ہوجاتی ہے تو اس دوستی اور محبت میں بے دھڑک آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں کہ ان کو کسی حد کی پرواہ نہیں ہوتی، بس جن سے محبت اور تعلق قائم ہوگیا اب ان کے اندر کوئی عیب نظر نہیں آتا اور اب دن رات کھانا پینا ان کے ساتھ ہے، اٹھنا بیٹھنا ان کے ساتھ ہے، چلنا پھرنا ان کے ساتھ ہے، ہر کام ان کے ساتھ ہے اور دن رات ان کی رفاقت اور صحبت حاصل ہے اور ان کی تعریف کے گن گائے جارہے ہیں، لیکن اچانک معلوم ہوا کہ دوستی ٹوٹ گئی، اب وہ دوستی ایسی ٹوٹی کہ اب ایک دوسرے کی شکل وصورت دیکھنے کے روادار نہیں، ایک دوسرے کا نام سننے کے روادار نہیں۔ اب ان کے اندر ایک اچھائی بھی نظر نہیں آتی، بلکہ اب ان کی برائیاں شروع ہوگئیں۔ یہ انتہا پسندی اور یہ اعتدال سے باہر جانا شریعت کا تقاضا نہیں، حضور نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، بلکہ یہ تعلیم دی ہے کہ محبت بھی اعتدال سے کرو اور اگر بغض ہے تو وہ بھی اعتدال سے رکھو کسی بھی چیز کو حد سے آگے نہ بڑھاؤ۔

دوستی کے لائق ایک ذات

یادرکھو! اول تو دوستی اور محبت جس چیز کا نام ہے، یہ دنیا کی مخلوق میں حقیقی اور صحیح معنیٰ میں تو ہے ہی نہیں، اصل دوستی اور محبت کے لائق تو صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ اللہ جل جلالہ کی ذات ہے، دل میں بٹھانے کے لائق کہ جس کی محبت دل میں گھس جائے، وہ تو ایک ہی ذات ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں جو دل بنایا ہے وہ صرف اپنے لیے ہی بنایا ہے، یہ انہی کی تجلی گاہ ہے اور انہی کے لیے بنا ہے۔ اب اس دل میں کسی اور کو اس طرح بٹھانا کہ وہ دل پر قبضہ جمالے یہ کسی مومن کے لیے مناسب نہیں، کیونکہ دوستی کے لائق تو ایک ہی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک سچے دوست

اگر اس کائنات میں کوئی شخص کسی کا سچا دوست ہوسکتا تھا تو حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا تھا؟ حضور اکرم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوستی کا تعلق جس طرح حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبھایا اس کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔ کوئی دوسرا شخص یہ دعویٰ ہی نہیں کرسکتا کہ میں ان جیسی دوستی کرسکتا ہوں، ہر ہر مرحلے پر آپ رضی اللہ عنہ کو آزمایا گیا، مگر آپ کھرے نکلے، پہلے دن سے جب آپ رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ''آمنا و صدقنا'' کہہ کر ایمان لائے تھے ساری عمر اس تصدیق اور ایمان میں ذرہ برابر کبھی تزلزل نہیں آیا۔

غارِ ثور کا واقعہ

غارِ ثور میں آپ نبیِ کریم ﷺ کے ساتھ تھے، جس کو قرآنِ کریم میں اس طرح بیان فرمایا:

اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (۱)

وہ دونوں غار میں تھے تو وہ اپنے ساتھی سے فرمارہے تھے کہ آپ غم نہ کریں بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔

جب غار کے اندر داخل ہونے لگے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے داخل ہوئے تاکہ غار کو صاف فرمائیں اور غار کے اندر سانپ، بچھو اور زہریلے جانوروں کے جو بل ہیں ان کو بند فرمائیں، چنانچہ آپ نے کپڑے کاٹ کر ان سوراخوں کو بند فرمایا اور جب کپڑے ختم ہو گئے اور سوراخ باقی رہ گئے تو آپ نے اپنے پاؤں کی ایڑی سے سوراخوں کو بند فرمایا (۲)۔

ہجرت کا ایک واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضورِ اقدس ﷺ ہجرت کے سفر میں تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر بھوک کے آثار دیکھے، آپ رضی اللہ عنہ کہیں سے دودھ لے آئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں لاکر پیش کیا، حالانکہ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ خود بھی بھوک سے تھے۔ روایات میں

---

(۱) سورۃ التوبۃ آیت (۴۰)۔
(۲) الروض الانف فی شرح السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ۱۳۵/۴ طبع دار احیاء التراث العربی۔ والسیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۲۳۸/۲ طبع دار المعرفۃ۔ بیروت۔

آتا ہے کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پی لیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بعد میں اس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دودھ پیا کہ میں خوش ہو گیا[1]، یعنی دودھ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا، لیکن سیراب میں ہو گیا۔ لہٰذا دوستی اور ایثار وقربانی کا جو مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیش کیا وہ دنیا میں کوئی دوسرا شخص پیش نہیں کر سکتا۔

دوستی اللہ کے ساتھ خاص ہے

لیکن اس کے باوجود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا[2]

''یعنی اگر میں اس دنیا میں کسی کو سچا دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا''۔

مطلب یہ ہے کہ ان کو بھی دوست بنایا نہیں، اس لیے کہ اس دنیا میں حقیقی معنیٰ کا دوست بننے کے لائق کوئی نہیں ہے، یہ دوستی تو صرف اللہ جل شانہ کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ ایسی دوستی جو انسان کے دل پر قبضہ جمالے کہ جو وہ کہے وہ کرے اور پھر انسان کا دل اس کے تابع ہو جائے، یہ دوستی اللہ کے سوا کسی اور کے ساتھ زیبا نہیں۔

دوستی اللہ کی دوستی کے تابع ہونی چاہیے

البتہ دنیا کے اندر جو دوستی ہوگی وہ اللہ کی محبت اور دوستی کے تابع ہوگی۔

---

(۱) صحیح البخاری ۲۰۱/٤ (٣٦١٥) وصحیح مسلم ۱۵۹۲/۳ (۲۰۰۹)۔
(۲) صحیح البخاری ٤/٥ (٣٦٥٦)۔

چنانچہ دوست کے کہنے کی وجہ سے گناہ نہیں کیا جائے گا، دوستی کی مد میں معصیت اور نا فرمانی نہیں ہوگی۔ لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ اس دنیا میں تمام دوستیاں اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی کے تابع ہونی چاہئیں۔

مخلص دوستوں کا فقدان

دوسری بات یہ ہے کہ اس دنیا میں ایسا دوست ملتا ہی کہاں ہے جس کی دوستی اللہ کی دوستی کے تابع ہو، تلاش کرنے اور ڈھونڈنے کے باوجود بھی ایسا دوست نہیں ملتا جس کو صحیح معنی میں دوست کہہ سکیں اور جس کی دوستی اللہ کی دوستی کے تابع ہو اور جو کڑی آزمائش کے وقت پکا نکلے۔ ایسا دوست بڑی مشکل سے ملتا ہے، قسمت والے کو ہی ایسا دوست ملتا ہے۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب میرے دوسرے بڑے بھائی صاحبان اپنے دوستوں کا ذکر کرتے تو والد صاحب ان سے فرماتے کہ تمہارے دنیا میں بہت دوست ہیں، ساٹھ سال عمر ہوگئی ہمیں تو کوئی دوست نہیں ملا، ساری عمر میں صرف ڈیڑھ دوست ملا، ایک پورا اور ایک آدھا، مگر تمہیں بہت دوست مل جاتے ہیں، لہٰذا دوستی کے معیار پر پورا اترنے والا جو کٹھن آزمائش میں بھی پکا اور کھرا ثابت ہو، ایسا دوست بہت کم ملتا ہے۔

بہر حال! اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے تابع بنا کر بھی دوست بناؤ تو اس دوستی کے اندر بھی اس بات کا اہتمام کرو کہ وہ دوستی حدود سے تجاوز نہ کرے، بس وہ دوستی ایک حد کے اندر رہے۔ یہ نہ ہو کہ جب دوستی ہوگئی تو اب صبح سے لے کر شام تک ہر وقت اسی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے اور اسی کے ساتھ کھانا پینا ہے اور اب اپنے راز بھی اس پر ظاہر کیے جا رہے ہیں، اپنی ہر بات اس سے کہی جا رہی ہے،

اگر کل کو دوستی ختم ہوگئی تو چونکہ تم نے اپنے سارے راز اس پر ظاہر کر دیے ہیں، اب وہ تمہارے راز ہر جگہ اُچھالے گا اور تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا، اس لیے دوستی اعتدال کے ساتھ ہونی چاہیے، یہ نہ کہ آدمی حدود سے تجاوز کر جائے۔

دشمنی میں اعتدال

اسی طرح اگر کسی کے ساتھ دشمنی ہے اور کسی سے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو یہ نہ ہو کہ اس کے ساتھ تعلقات اچھے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اندر ہر وقت کیڑے نکالے جارہے ہیں، اس کے ہر کام میں عیب تلاش کیے جارہے ہیں۔ ارے بھائی! اگر کوئی آدمی بُرا ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اچھائی بھی رکھی ہوگی، ایسا نہ ہو کہ عداوت کی وجہ سے تم اس کی اچھائیوں کو بھی نظر انداز کرتے چلے جاؤ۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا (۱)

کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے
کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو۔

بے شک اس کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے، لیکن اس دشمنی کا یہ مطلب نہیں کہ اب اس کی اچھائی کا بھی اعتراف نہ کیا جائے، بلکہ اگر وہ کوئی اچھا کام کرے تو اس کی اچھائی کا اعتراف کرنا چاہیے، لیکن چونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عام طور پر ہمارے پیشِ نظر نہیں رہتا، اس لیے محبتوں میں بھی حدود سے تجاوز ہو جاتا ہے اور بغض اور عداوت میں بھی حدود سے تجاوز ہو جاتا ہے۔

---

(۱) سورہ المائدۃ آیت (۸)۔

حجاج بن یوسف کی غیبت

آج حجاج بن یوسف کو کون مسلمان نہیں جانتا، جس نے بے شمار ظلم کیے، کتنے علماء کو شہید کیا، کتنے حافظوں کو قتل کیا، حتیٰ کہ اس نے کعبہ شریف پر حملہ کر دیا۔ یہ سارے بُرے کام کیے اور جو مسلمان بھی اس کے ان بُرے افعال کو پڑھتا ہے تو اس کے دل میں اس کی طرف سے کراہیت پیدا ہوتی ہے، لیکن ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے سامنے حجاج بن یوسف کی بُرائی شروع کر دی اور اس بُرائی کے اندر اس کی غیبت کی، تو حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے فوراً ٹوکا اور فرمایا کہ یہ مت سمجھنا کہ اگر حجاج بن یوسف ظالم ہے تو اب اس کی غیبت حلال ہوگئی یا اس پر بہتان باندھنا حلال ہوگیا۔ یاد رکھو! اب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجاج بن یوسف سے اس کے ناحق قتل اور ظلم اور خون کا بدلہ لیں گے تو تم اس کی جو غیبت کر رہے ہو یا بہتان باندھ رہے ہو تو اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ تم سے لیں گے[1]، یہ نہیں کہ جو شخص بدنام ہوگیا تو اس کی بدنامی کے نتیجے میں اس پر جو چاہو الزام عائد کرتے چلے جاؤ، اس پر بہتان باندھتے چلے جاؤ اور اس کی غیبت کرتے چلے جاؤ۔ لہٰذا عداوت اور دشمنی بھی اعتدال کے ساتھ کرو اور محبت بھی اعتدال کے ساتھ کرو۔

ہمارے ملک کی سیاسی فضا کا حال

آج کل ہمارے یہاں جو سیاسی فضا ہے اس سیاسی فضا کا حال یہ ہے کہ

---

(۱) احیاء علوم الدین ۱۵۳/۳ طبع دار المعرفة۔ والرسالة القشيرية ۲۹۱/۱ طبع دار المعارف القاهرة.

اگر کسی کے ساتھ تعلق ہو گیا اور اس کے ساتھ سیاسی وابستگی ہوگئی تو اس طرح بانس پر چڑھاتے ہیں کہ اب اس کے اندر کوئی عیب نظر نہیں آتا اور اگر دوسرا شخص کوئی عیب بیان کرے تو اس کا سننا گوارہ نہیں ہوتا اور اس کے بارے میں یہ رائے قائم کر لی جاتی ہے کہ یہ معصوم عن الخطاء ہے اور جب اس سے سیاسی دشمنی ہو جاتی ہے تو اب اس کے اندر کوئی اچھائی ہی نظر نہیں آتی۔ دونوں جگہ پر حدود سے تجاوز ہو رہا ہے، اس طریقے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جیسا کہ بار بار عرض کرتا ہوں کہ صرف نماز روزہ کا نام دین نہیں ہے بلکہ یہ بھی دین کا حصہ ہے کہ محبت کرو تو اعتدال کے ساتھ کرو اور بغض رکھو تو اعتدال کے ساتھ رکھو۔ جو اللہ کے بندے ہیں وہ ان باتوں کو سمجھتے ہیں، یہ حکمران، یہ سیاسی لیڈر اور رہنما جو ہیں ان کے ساتھ تعلق بھی باعزت فاصلے کے ساتھ ہو، یہ نہ ہو کہ جب ان کے ساتھ تعلق ہو گیا تو آدمی حد سے متجاوز ہو رہا ہے۔

قاضی بکار بن قتیبہ رحمہ اللہ کا سبق آموز واقعہ

ایک قاضی گزرے ہیں قاضی بکار بن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ، یہ بڑے درجے کے محدثین میں سے ہیں، دینی مدارس میں حدیث کی کتاب ''طحاوی شریف'' پڑھائی جاتی ہے، اس کے مصنف ہیں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ یہ ان کے استاذ ہیں، ان کے زمانے میں جو بادشاہ تھا وہ ان پر مہربان ہو گیا اور ایسا مہربان ہو گیا کہ ہر معاملے میں ان کو بلایا جا رہا ہے، ہر دعوت میں ان کو بلایا جا رہا ہے، حتی کہ ان کو پورے ملک کا قاضی بنا دیا اور اب سارے فیصلے ان کے پاس آرہے ہیں، دن رات بادشاہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے، جو سفارش کرتے ہیں بادشاہ ان کی سفارش

کو قبول کر لیتا ہے۔ ایک عرصہ دراز تک یہ سلسلہ جاری رہا، یہ اپنا قضا کا کام بھی کرتے رہے اور جو مناسب مشورہ ہوتا وہ بادشاہ کو دیدیا کرتے تھے۔ چونکہ وہ تو عالم اور قاضی تھے بادشاہ کے غلام تو نہیں تھے، تو ایک مرتبہ بادشاہ نے غلط کام کر دیا، قاضی صاحب نے فتویٰ دیدیا کہ بادشاہ کا یہ کام غلط ہے اور درست نہیں ہے اور یہ کام شریعت کے خلاف ہے۔ اب بادشاہ سلامت ناراض ہو گئے کہ ہم اتنے عرصے تک ان کو کھلاتے پلاتے رہے، ان کو ہدیے تحفے دیتے رہے اور ان کی سفارش قبول کرتے رہے اور اب انہوں نے ہمارے خلاف فتویٰ دیدیا۔ چنانچہ فوراً ان کو قاضی کے عہدے سے معزول کر دیا، یہ دنیاوی بادشاہ بڑے تنگ ظرف ہوتے ہیں، دیکھنے میں بڑے سخی نظر آتے ہیں، لیکن کم ظرف ہوتے ہیں، تو صرف یہ نہیں کیا کہ ان کو قضا کے عہدے سے معزول کر دیا بلکہ ان کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ جا کر ان سے کہو کہ ہم نے آج تک تمہیں جتنے ہدیے تحفے دیے ہیں وہ سب واپس کرو، اس لیے کہ اب تم نے ہماری مرضی کے خلاف کام شروع کر دیا ہے۔

اب آپ اندازہ کریں کہ کئی سالوں کے وہ ہدایا، کبھی کچھ دیا ہوگا، کبھی کچھ بھیجا ہوگا، لیکن جب بادشاہ کا وہ آدمی آیا تو آپ اس آدمی کو اپنے گھر کے اندر ایک کمرے میں لے گئے اور ایک الماری کا تالہ کھولا تو وہ پوری الماری تھیلیوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے اس قاصد سے کہا کہ تمہارے بادشاہ کے پاس سے جو تحفے کی تھیلیاں آتی تھیں وہ سب اس الماری کے اندر رکھی ہوئی ہیں اور ان تھیلیوں پر جو مہر لگی تھی وہ مہر بھی ابھی تک نہیں ٹوٹی، یہ ساری تھیلیاں اٹھا کر لے جاؤ۔ اس لیے کہ جس دن بادشاہ سے تعلق قائم ہوا، الحمد للہ!

اسی دن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ذہن میں تھا کہ

"احبب حبيبك هونا ما عسىٰ ان يكون بغيضك يوما"

اور مجھے اندازہ تھا کہ شاید کوئی وقت ایسا آئے گا کہ مجھے یہ سارے تحفے واپس کرنے پڑیں گے، الحمد للہ! بادشاہ کے دیے ہوئے ہدیے اور تحفوں میں سے ایک ذرہ بھی آج تک اپنے استعمال میں نہیں لایا[1]۔

یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کا صحیح نمونہ، یہ نہیں کہ جب دوستی ہوگئی تو اب ہر طرح کا فائدہ اٹھایا جا رہا ہے اور جب دشمنی ہوئی تو اب پریشانی اور شرمندگی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے (آمین)۔

یہ دعا کرتے رہو

اول تو صحیح معنیٰ میں محبت صرف اللہ جل شانہ سے ہونی چاہیے۔ اسی لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی جو ہر مسلمان کو ہمیشہ مانگنی چاہیے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الاَشْیَاءِ اِلَیَّ[2]

اے اللہ! اپنی محبت کو تمام محبتوں پر غالب فرما۔

اب انسان چونکہ کمزور ہے اور اس کے ساتھ بشری تقاضے لگے ہوئے ہیں،

---

(۱) وفیات الاعیان ۲۷۹/۱ طبع دار صادر بیروت۔

(۲) حلية الاولياء لابی نعیم ۲۸۲/۸ طبع دار الكتاب العربی۔المحبة لله لابی اسحاق الختلی ص ۱۰۲(۲٤٤) طبع دار الحضارة الرياض۔

اس لیے انسان کو دوسروں سے بھی محبت ہوتی ہے۔ مثلاً بیوی سے محبت، اولاد سے محبت، دوستوں سے محبت، ماں باپ سے محبت، عزیز و رشتہ داروں سے محبت، یہ ساری محبتیں انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے، یہ محبتیں انسان کے ساتھ رہیں گی اور کبھی ختم نہیں ہوں گی، لیکن اصل بات یہ ہے کہ آدمی یہ دعا کرے کہ یا اللہ! یہ ساری محبتیں آپ کی محبت کے تابع ہوجائیں اور آپ کی محبت ان تمام محبتوں پر غالب آجائے۔

اگر محبت حد سے بڑھ جائے تو یہ دعا کرو

اگر کسی سے محبت ہو اور یہ محسوس ہو کہ یہ محبت حد سے بڑھ رہی ہے تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرو کہ یا اللہ! یہ محبت آپ نے میرے دل میں ڈالی ہے، لیکن یہ محبت حد سے بڑھتی جا رہی ہے، اے اللہ! کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کسی فتنے میں مبتلا ہوجاؤں۔ اے اللہ! اپنی رحمت سے مجھے فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھیے اور پھر اپنے اختیاری طرزِ عمل میں بھی ہمیشہ احتیاط سے کام لو۔ جو آج کا دوست ہے وہ کل کا دشمن بھی ہوسکتا ہے، کل تک تو ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا، ساتھ کھانا پینا تھا اور آج یہ نوبت آگئی کہ صورت دیکھنے کے روادار نہیں۔ یہ نوبت نہیں آنی چاہیے، اگر آئے تو اس کی طرف سے آئے، تمہاری طرف سے نہ آئے۔

بہرحال! دوستی کے بارے میں یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک تلقین ایسی ہے کہ اگر ہم ان کو پلے باندھ لیں تو ہماری دنیا اور آخرت سنور جائے۔

دوستی کے نتیجے میں گناہ

بسا اوقات ان دوستیوں کے نتیجے میں ہم گناہ کے اندر مبتلا ہوجاتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ چونکہ یہ دوست ہے اگر اس کی بات ہم نے نہ مانی تو اس کا دل ٹوٹے گا، لیکن اگر اس کے دل ٹوٹنے کے نتیجے میں شریعت ٹوٹ جائے تو اس کی پرواہ نہیں۔ حالانکہ شریعت کو ٹوٹنے سے بچانا دل کو ٹوٹنے سے بچانے سے مقدّم ہے بشرطیکہ شریعت میں گنجائش نہ ہو، لیکن اگر شریعت کے اندر گنجائش ہو تو اس صورت میں بیشک یہ حکم ہے کہ مسلمان کا دل رکھنا چاہیے اور حتی الامکان دل نہ توڑنا چاہیے، کیونکہ یہ بھی عبادت ہے۔

''غلو'' سے بچیں

حضرت حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں معاملات کے اندر ''غلو'' کرنے کی ممانعت ہے۔ کسی بھی معاملے میں غلو نہ ہو، نہ تعلّقات میں اور نہ ہی معاملات میں اور غلو کے معنیٰ ہیں ''حد سے بڑھنا'' کسی بھی معاملے میں انسان حد سے نہ بڑھے، بلکہ مناسب حد کے اندر رہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

برائی کا بدلہ اچھائی سے دو

(اصلاحی خطبات ۱۴ / ۲۵۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برائی کا بدلہ اچھائی سے دو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ

فٰعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى
اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ (۱)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

تمہید

گزشتہ چند جمعوں سے سورۂ مومنون کی ابتدائی آیات کا بیان چل رہا ہے۔ ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں کی ان صفات کو بیان کیا ہے جو ان کی دنیا وآخرت کی فلاح اور کامیابی کی موجب ہیں، لہٰذا اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کو دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل ہو تو ان کے لیے ان صفات کا اہتمام کرنا ضروری ہے جو ان آیات میں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے پہلی صفت جو ان آیات میں بیان کی گئی ہے وہ ''نماز میں خشوع اختیار کرنا'' ہے، اس کا مفصل بیان الحمد للہ ہو چکا ہے۔ (۲)

مومنوں کی دوسری صفت

دوسری صفت یا دوسرا عمل جو ان آیات میں بیان کیا گیا وہ ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ

(۱) سورۃ المومنون آیت (۱تا۷)۔
(۲) اس بیان کے لیے مواعظِ عثمانی حصہ عبادات ملاحظہ فرمائیں ملاحظہ فرمائیں ۔ عنایت الرحمن

یعنی فلاح یافتہ مومن وہ ہیں جو لغو سے اعراض کرتے ہیں اور کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ اس آیتِ کریمہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے ساتھ بیہودہ گفتگو کرے یا بیہودہ معاملہ کرے تو اس کا جواب ترکی بہ ترکی دینے کے بجائے اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور اپنے آپ کو لغو باتوں سے اور افعال سے بچاتے ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا، ایسی بزرگ ہستی کہ ماضی قریب میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، شاہی خاندان کے شہزادے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے نکل پڑے اور قربانیاں دیں۔ ایک مرتبہ دہلی کی جامع مسجد میں خطاب فرمارہے تھے، خطاب کے دوران بھرے مجمع میں ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا ۔العیاذ باللہ۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں۔ اتنے بڑے عالم اور شہزادے کو ایک بڑے مجمع میں یہ گالی دی اور وہ مجمع بھی معتقدین کا تھا، میرے والد صاحب رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم جیسا کوئی آدمی ہوتا تو اس کو سزا دیتا، اگر وہ سزا نہ بھی دیتا تو اس کے معتقدین اس کی تکہ بوٹی کر دیتے، ورنہ کم از کم اس کو ترکی بہ ترکی یہ جواب تو دے ہی دیتے کہ تو حرام زادہ، تیرا باپ حرام زادہ، لیکن حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جو پیغمبرانہ دعوت کے حامل تھے، جواب میں فرمایا:

> آپ کو غلط اطلاع ملی ہے، میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو
> آج بھی دلی میں موجود ہیں۔

اس گالی کو ایک مسئلہ بنادیا، لیکن گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا۔

ترکی بہ ترکی جواب مت دو

لہٰذا طعنہ کا جواب طعنہ سے نہ دیا جائے، اگر چہ شرعاً تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ جیسی دوسرے شخص نے تمہیں گالی دی ہے، تم بھی ویسی ہی گالی اس کو دیدو، لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین انتقام کا یہ حق استعمال نہیں کرتے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی یہ حق کبھی استعمال نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ معاف کردینے اور درگزر کردینے کا شیوہ رہا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے وارثین کا بھی یہی شیوہ رہا ہے۔

انتقام کے بجائے معاف کردو

ارے بھائی! اگر کسی نے تمہیں گالی دیدی تو تمہارا کیا بگڑا؟ تمہاری کون سی آخرت خراب ہوئی؟ بلکہ تمہارے تو درجات میں اضافہ ہوا، اگر تم انتقام نہیں لوگے، بلکہ درگزر کردوگے اور معاف کردوگے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں معاف کر دیں گے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسرے کی غلطی کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس دن معاف فرمائیں گے جس دن وہ معافی کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا یعنی قیامت کے دن[1]۔ لہٰذا انتقام لینے کی فکر چھوڑ دو، معاف کردو اور درگزر کردو۔

---

(۱) ماخوذ از سنن ابی داود ۲۷۴/۳ (۳٤٦۰) ولفظه من اقال مسلما اقاله الله عثرته۔ وعن انس ان النبی ﷺ قال: اذا وقف العباد للحساب ینادی منادلیقم من اجره علی الله فلیدخل الجنة ثم ینادی الثانیة لیقم من اجره علی الله فیقال ومن ذاالذی اجره علی الله فیقول العافون عن الناس فقام کذا وکذا فدخلوها بغیر حساب۔ مکارم الاخلاق للطبرانی ص۳۳۱ (۵۵)۔ طبع دار الکتب العلمیة۔

بزرگوں کی مختلف شانیں

ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت ہم نے سنا ہے کہ اولیاء کرام کی شانیں عجیب وغریب ہوتی ہیں، کسی کا کوئی رنگ ہے، کسی کا کوئی رنگ ہے اور کسی کی کوئی شان ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ ان اولیاءِ کرام کی مختلف شانیں دیکھوں کہ وہ کیا شانیں ہوتی ہیں؟ ان بزرگ نے ان سے فرمایا کہ تم کس چکر میں پڑ گئے، اولیاء اور بزرگوں کی شانیں دیکھنے کی فکر میں مت پڑو، بلکہ اپنے کام میں لگو۔ ان صاحب نے اصرار کیا کہ نہیں! میں ذرا دیکھنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں کیسے کیسے بزرگ ہوتے ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر تم دیکھنا ہی چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ دہلی کی فلاں مسجد میں چلے جاؤ، وہاں تمہیں تین بزرگ اپنے ذکر و اذکار میں مشغول نظر آئیں گے، تم جا کر ہر ایک کی پشت پر ایک مکا مار دینا، پھر دیکھنا اولیاءِ کرام کی شانیں کیا ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ صاحب گئے، وہاں جا کر دیکھا تو واقعتاً تین بزرگ بیٹھے ہوئے ذکر میں مشغول ہیں، انہوں نے جا کر پہلے بزرگ کو پیچھے سے ایک مکا مارا تو انہوں نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں، بلکہ اپنے ذکر واذکار میں مشغول رہے۔ جب دوسرے بزرگ کو مکا مارا تو انہوں نے بھی پلٹ کر ان کو مکا مار دیا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے، جب تیسرے بزرگ کو مکا مارا تو انہوں نے پلٹ کر ان کا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا کہ آپ کو چوٹ تو نہیں لگی۔

اس کے بعد یہ صاحب ان بزرگ کے پاس واپس آئے جنہوں نے ان کو بھیجا تھا، ان بزرگ نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ بڑا عجیب قصہ ہوا جب میں نے پہلے بزرگ کو مکا مارا تو انہوں نے پلٹ کر مجھے دیکھا بھی

نہیں اور جب دوسرے بزرگ کو مکا مارا تو انہوں نے بھی پلٹ کر مجھے مکا مار دیا اور جب تیسرے بزرگ کو مکا مارا تو انہوں نے پلٹ کر میرا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا۔

ان بزرگ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ جنہوں نے تمہیں مکا مارا تھا انہوں نے زبان سے کچھ کہا تھا؟ ان صاحب نے بتایا کہ زبان سے تو کچھ نہیں کہا بس مکا مارا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

میں اپنا وقت بدلہ لینے میں کیوں ضائع کروں

ان بزرگ نے فرمایا کہ اب سنو! پہلے بزرگ جنہوں نے بدلہ نہیں لیا، انہوں نے یہ سوچا کہ میں اپنا وقت بدلہ لینے میں کیوں ضائع کروں، اگر اس نے مجھے مکا مارا تو میرا کیا بگڑ گیا، اب میں پیچھے مڑوں اور یہ دیکھوں کہ کس نے مارا ہے اور پھر اس کا بدلہ لوں، جتنا وقت اس میں صرف ہوگا وہ وقت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کیوں نہ صرف کر دوں۔

پہلے بزرگ کی مثال

ان پہلے بزرگ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کو بادشاہ نے بلایا اور اس سے کہا کہ تم میرے پاس آؤ، میں تمہیں ایک عالی شان انعام دوں گا، اب وہ شخص اس انعام کے شوق میں دوڑتا ہوا بادشاہ کے محل کی طرف جا رہا ہے، وقت کم رہ گیا ہے اور اس کو وقت پر پہنچنا ہے۔ راستے میں ایک شخص نے اس کو مکا مار دیا، اب یہ شخص اس مکا مارنے والے سے الجھے گا یا اپنا سفر جاری رکھے گا کہ میں جلد از جلد کسی طرح بادشاہ کے پاس پہنچ جاؤں؟ ظاہر ہے کہ اس مکا مارنے والے سے نہیں الجھے گا بلکہ وہ تو اس فکر میں رہے گا کہ میں کسی طرح جلد از جلد

بادشاہ کے پاس پہنچ جاؤں اور جا کر اس سے انعام وصول کروں۔ اسی طرح یہ بزرگ اس مکا مارنے والے سے نہیں الجھے، بلکہ اپنے ذکر میں مشغول رہے، تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔

دوسرے بزرگ کا انداز

دوسرے بزرگ جنہوں نے بدلہ لے لیا، انہوں نے یہ سوچا کہ شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ جتنی زیادتی کوئی شخص تمہارے ساتھ کرے اتنی زیادتی تم بھی اس کے ساتھ کر سکتے ہو، اس سے زیادہ نہیں کر سکتے، اب تم نے ان کو ایک مکا مارا تو انہوں نے بھی تمہیں ایک مکا مار دیا، تم نے زبان سے کچھ نہیں کہا تو انہوں نے بھی زبان سے کچھ نہیں کہا۔

بدلہ لینا بھی خیر خواہی ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگوں سے یہ جو منقول ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ لے لیا، یہ بدلہ لینا بھی درحقیقت اس شخص کی خیر خواہی کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لیے کہ بعض اولیاء اللہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کو تکلیف پہنچائے یا ان کی شان میں کوئی گستاخی کرے اور وہ صبر کر جائیں تو ان کے صبر کے نتیجے میں وہ شخص تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

حدیث قدسی میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

”من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب“

جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے اس کے لیے میری
طرف سے اعلان جنگ ہے۔(۱)

بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے ساتھ ہوئی زیادتی پر ایسا عذاب نازل فرماتے ہیں کہ ایسے عذاب سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، کیونکہ اس ولی کا صبر اس شخص پر واقع ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے اللہ والے بعض اوقات اپنے ساتھ کی ہوئی زیادتی کا بدلہ لے لیتے ہیں تاکہ اس کا معاملہ برابر ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کا عذاب اس پر نازل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کیوں بدلہ لیتے ہیں؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اس بات پر اشکال ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عجیب معاملہ ہے کہ اولیاء اللہ تو اتنے شفیق ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اوپر کی ہوئی زیادتی کا بدلہ نہیں لیتے، لیکن اللہ تعالیٰ عذاب دینے پر تلے ہوئے ہیں کہ اگر بدلہ نہ لیا جائے تو وہ ضرور عذاب دیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اولیاء اللہ کی شفقت اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کے مقابلے میں زیادہ ہوگئی، پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بات در اصل یہ ہے کہ شیرنی کو اگر کوئی جا کر چھیڑ دے تو وہ شیرنی طرح دے جاتی ہے اور بدلہ نہیں لیتی اور اس پر حملہ نہیں کرتی، لیکن اگر کوئی جا کر اس شیرنی کے بچوں کو چھیڑ دے تو پھر شیرنی اس کو برداشت نہیں کرتی بلکہ چھیڑنے والے پر حملہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں لوگ گستاخیاں کرتے ہیں، کوئی شرک کر رہا ہے کوئی اللہ تعالیٰ کے وجود

(۱) صحیح البخاری ۱۰۵/۸ (۶۵۰۲)۔

کا انکار کررہا ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے تحمل سے اس کو درگزر فرمادیتے ہیں، لیکن اولیاء اللہ جو اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں ان کی شان میں گستاخی کرنا اللہ تعالیٰ کو برداشت نہیں ہوتا، اس لیے یہ گستاخی انسان کو تباہ کردیتی ہے، لہٰذا جہاں کہیں یہ منقول ہے کہ کسی اللہ کے ولی نے بدلہ لے لیا، وہ بدلہ لینا اس کی خیر خواہی کے لیے ہوتا ہے، کیونکہ اگر بدلہ نہ لیا تو نہ معلوم اللہ تعالیٰ کا کیا عذاب اس پر نازل ہوجائے گا۔

تیسرے بزرگ کا انداز

جہاں تک تیسرے بزرگ کا تعلق ہے جنہوں نے تمہارا ہاتھ سہلانا شروع کردیا تھا، ان کو اللہ تعالیٰ نے خلق خدا پر رحمت اور شفقت کا وصف عطا فرمایا تھا، اس لیے انہوں نے پلٹ کر ہاتھ سہلانا شروع کردیا۔

پہلے بزرگ کا طریقہ سنت تھا

لیکن اصل طریقہ سنت کا وہ ہے جس کو پہلے بزرگ نے اختیار فرمایا۔ اس لیے کہ اگر کسی نے تمہیں نقصان پہنچایا ہے تو میاں! کہاں تم اس سے بدلہ لینے کے چکر میں پڑ گئے، کیونکہ اگر تم بدلہ لے لوگے تو تمہیں کیا فائدہ مل جائے گا؟ بس اتنا ہی تو ہوگا کہ سینے کی آگ ٹھنڈی ہوجائے گی، لیکن اگر تم اس کو معاف کردو گے اور درگزر کردو گے تو سینے کی آگ کیا بلکہ جہنم کی آگ بھی ٹھنڈی ہوجائے گی، ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمائیں گے۔

معاف کرنا باعث اجر وثواب ہے

آج کل ہمارے گھروں میں، خاندانوں میں، ملنے جلنے والوں میں، دن رات یہ مسائل پیش آتے رہتے ہیں کہ فلاں نے میرے ساتھ یہ کر دیا اور فلاں نے یہ کر دیا، اب اس سے بدلہ لینے کی سوچ رہے ہیں، دوسروں سے شکایت کرتے پھر رہے ہیں، اس کو طعنہ دے رہے ہیں دوسروں سے اس کی بُرائی اور غیبت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ سب گناہ کے کام ہیں؟ لیکن اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر دو تو تم بڑی فضیلت اور ثواب کے مستحق بن جاؤ گے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (۱)

جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا بے شک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ

ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (۲)

دوسرے کی بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جن کے ساتھ عداوت ہے، وہ اب تمہارے گرویدہ ہو جائیں گے۔

---

(۱) سورة الشوری آیت (٤٣)۔

(۲) سورة حم السجدة آیت (٣٤)۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا:

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (۱)

یعنی یہ عمل ان ہی کو نصیب ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور یہ دولت بڑے نصیب والے کو حاصل ہوتی ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے انداز جواب

حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ طعنہ نہیں دیتے، حتیٰ کہ اگر کوئی سامنے والا شخص طعنہ بھی دے تو بھی جواب میں یہ حضرات طعنہ نہیں دیتے۔

غالباً حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ہے کہ ان کی قوم نے ان سے کہا کہ

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ (۲)

نبی سے کہا جارہا ہے کہ ہمارا یہ خیال ہے کہ تم انتہا درجے کے بیوقوف ہو، احمق ہو اور ہم تمہیں کاذبین میں سے سمجھتے ہیں، تم جھوٹے معلوم ہوتے ہو، وہ انبیاء علیہم السلام جن پر حکمت اور صدق قربان ہیں، ان کے بارے میں یہ الفاظ کہے جارہے ہیں، لیکن دوسری طرف جواب میں پیغمبر فرماتے ہیں:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ

---

(۱) سورۃ حم السجدۃ آیت (۳۵)۔

(۲) سورہ الاعراف آیت (٦٦)۔

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۷﴾ (۱)

اے قوم! میں بیوقوف نہیں ہوں بلکہ میں اللہ رب العالمین کی طرف سے ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔

ایک اور پیغمبر سے کہا جارہا ہے کہ

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۲)

ہم تمہیں دیکھ رہے ہیں کہ تم گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

جواب میں پیغمبر فرماتے ہیں:

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ (۳)

اے قوم! میں گمراہ نہیں ہوں، بلکہ میں اللہ رب العالمین کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہوں۔

آپ نے دیکھا کہ پیغمبر نے طعنہ کا جواب طعنہ سے نہیں دیا۔

رحمت للعالمین کا انداز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا، ان پر پتھروں کی بارش ہورہی ہے، خون سے لہولہان ہورہے ہیں؟ لیکن زبان پر یہ الفاظ جاری ہیں:

---

(۱) سورة الاعراف آیت (٦٧)۔
(۲) سورة الاعراف آیت (٦٠)۔
(۳) سورة الاعراف آیت (٦١)۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (۱)

اے اللہ! میری اس قوم کو ہدایت عطا فرما، کیونکہ یہ جاہل ہے اور اس کو حقیقت کا پتہ نہیں ہے، اس وجہ سے میرے ساتھ یہ سلوک کررہی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کبھی بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے، گالی کا بدلہ گالی سے نہیں دیتے، وہ اہل مکہ جنہوں نے مکہ میں رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی عذاب کردی تھی، ان صحابہ کرام کو تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جارہا ہے، پتھر کی سلیں ان کی سینوں پر رکھی جارہی ہیں، ان کا بائی کاٹ کیا جارہا ہے، ان کا کھانا پانی بند کیا جارہا ہے، ان کے قتل کے منصوبے بنائے جارہے ہیں۔ ۱۳ سال تک حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ظلم کی چکی میں پیسا؟ لیکن اسی شہر مکہ میں فتح مکہ کے موقع پر جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فاتح بن کر داخل ہوئے تو اس موقع کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوکر فاتح بن کر مکہ مکرمہ میں اس شان سے داخل ہورہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن جھکی ہوئی ہے (۲)۔ کوئی دوسرا فاتح ہوتا تو اس کی گردن تنی ہوئی ہوتی، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن جھکی ہوئی ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور زبانِ مبارک پر یہ آیات جاری ہیں:

---

(۱) الاحادیث المختارة للضیاء المقدسی ۱۳/۱۰ (۲) وشعب الایمان للبیهقی ۴۵/۳ (۱۳۷۵) واصله فی صحیح البخاری ۱۷۵/٤ (۳٤۷۷)۔

(۲) المستدرك للحاکم ٤۹/۳ (٤۳٦٥) و ۳۵۲/٤ (۷۸۸۸) وقال هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاه. ووافقه الذهبی فی "التلخیص"۔ ومسند ابی یعلی ۱۲۰/٦ (۳۳۹۳) طبع دار المامون للتراث. قال الهیثمی فی "المجمع" ۲٤۹/٦ (۱۰۲۳۸) وفیه عبدالله بن ابی بکر المقدمی وهو ضعیف.

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا[1]

یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مبین عطا فرمائی۔

عام معافی کا اعلان

اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کر دیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے وہ مامون ہے، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو بھی امن ہے، جو شخص ابو سفیان کے گھر داخل ہو جائے اس کو بھی امن ہے۔ پھر آپ نے تمام اہلِ مکہ کو جمع کر کے فرمایا:

”لا تثریب علیکم الیوم و انتم الطلقاء“

آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں اور تم سب آزاد ہو۔

یہ سلوک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ کیا جو آپ کے خون کے پیاسے تھے[2]۔

ان سنتوں پر بھی عمل کرو

بہر حال! انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ برائی کا جواب برائی سے مت دو، گالی کا جواب گالی سے مت دو، بلکہ اپنے مقابل کے ساتھ احسان کرو۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے جتنے طریقے ہیں وہ سب سنت ہیں، ہم نے

---

(۱) سورۃ الفتح آیت (۱)۔

(۲) السنن الکبری للبیہقی ۱۹۹/۹ (۱۸۲۷۵-۱۸۲۷۶) طبع دار الکتب العلمیۃ۔ و اصلہ فی صحیح مسلم ۱۴۰۵/۳ (۱۷۸۰)۔

صرف چند ظاہری چیزوں کا نام سنت رکھ لیا ہے، مثلاً ڈاڑھی رکھ لینا، خاص طریقے کا لباس پہن لینا، جتنی سنتوں پر بھی عمل کی توفیق ہوجائے، وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لیکن سنتیں صرف ان کے اندر منحصر نہیں، بلکہ یہ بھی حضورِ اقدس سرورِ دو عالم ﷺ کی سنّت ہے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دو، گالی کا جواب گالی سے نہ دو، اگر اس سنت پر عمل ہوجائے تو ایسے شخص کے بارے میں قرآنِ شریف کا ارشاد ہے:-

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۱)

"جس شخص نے صبر کیا اور معاف کردیا تو البتہ یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے"۔

یہ بڑے ہمت کی بات ہے کہ آدمی کو غصہ آرہا ہے اور خون کھول رہا ہے، اس وقت آدمی ضبط کر کے حدود پر قائم رہے اور سامنے والے کو معاف کردے اور راستہ بدل دے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (۲)

"یعنی جو لغو باتوں سے کنارہ کش رہنے والے ہیں۔"

اس سنّت پر عمل کرنے سے دنیا جنّت بن جائے

آپ حضرات ذرا سوچیں کہ اگر حضورِ اقدس ﷺ کی یہ سنت حاصل ہوجائے تو پھر دنیا میں کوئی جھگڑا باقی رہے گا؟ سارے جھگڑے، سارے فسادات،

(۱) سورۃ الشوری آیت (۴۳)۔
(۲) سورۃ الفرقان آیت (۷۲)۔

ساری عداوتیں، ساری دشمنیاں اس وجہ سے ہیں کہ آج اس سنت پر عمل نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس سنت پر عمل کی توفیق عطا فرما دیں تو یہ دنیا جو آج جھگڑوں کی وجہ سے جہنم بنی ہوئی ہے، جس میں عداوتوں کی آگ سلگ رہی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرنے کے نتیجے میں جنت بن جائے، گل وگلزار بن جائے۔

جب تکلیف پہنچے تو یہ سوچ لو

جب بھی آپ کو کسی سے تکلیف پہنچے تو سوچو کہ میں بدلہ لینے کے کس چکر میں پڑوں، ہٹاؤ اس کو اور اللہ اللہ کروں اور اس کو معاف کردوں۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص نے آپ کے ساتھ زیادتی کرلی، آپ نے اس سے زیادہ زیادتی کرلی، اب دوسرا شخص اس زیادتی کا بدلہ لے گا اور پھر آپ اس سے بدلہ لیں گے، اس طرح عداوتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جس کی کوئی انتہا نہیں، لیکن بالآخر تمہیں کسی مرحلے پر ہار ماننی پڑے گی اور اس جھگڑے کو ختم کرنا ہوگا، لہٰذا تم پہلے دن ہی معاف کر کے جھگڑا ختم کردو۔

چالیس سالہ جنگ کا سبب

زمانہ جاہلیت میں ایک طویل جنگ ہوئی ہے جو ''جنگ بسوس'' کہلاتی ہے، اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک شخص جس کا نام کلیب بن ربیعہ تھا، ایک دن یہ اپنی چراگاہ کی طرف نکلا تو اس نے ایک پرندہ دیکھا جس نے انڈے دیے تھے، اس پرندے نے اسے جب اپنی طرف آتے دیکھا تو خوف کے مارے اس نے اپنے انڈوں کو اپنے پروں میں چھپالیا تا کہ اسے نقصان نہ پہنچے، کلیب

نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اس نے اس پرندہ سے کہا کہ خوف زدہ نہ ہو میں تمہاری اور تمہارے انڈوں کی رکھوالی کروں گا، چنانچہ یہ اسے اپنی چراگاہ لے آیا اور وہاں رکھ دیا تو ایک دن بسوس نامی عورت کی اونٹنی کلیب کی چراگاہ میں آئی اور اس نے اس پرندے کے انڈے توڑ دیے۔ یہ دیکھ کر کلیب کو غصہ آیا اور اس نے اس اونٹنی کے تھن پر وار کیا اور اسے کاٹ ڈالا، جس سے دونوں جانب زبانی تو تکار شروع ہوئی اور پھر ہاتھا پائی تک نوبت آگئی۔ اس کے نتیجے میں تلواریں نکل آئیں۔ اس کا قبیلہ ایک طرف اور دوسرے کا قبیلہ ایک طرف، دونوں قبیلوں کے درمیان لڑائی شروع ہوئی اور ایک پرندے کی وجہ سے چالیس سال تک متواتر یہ لڑائی جاری رہی۔ (۱) جب باپ کا انتقال ہوتا تو وہ اپنے بیٹے کو وصیت کر جاتا کہ بیٹا اور سب کام کر لینا، لیکن میرے قاتلوں کو معاف نہ کرنا۔ صرف ایک پرندے کی وجہ سے چالیس سال تک لڑائی چلتی رہی، اگر پہلے دن ہی قرآنِ کریم کی اس آیت:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (۲)

پر عمل کر لیتے تو یہ لڑائی اسی دن ختم ہوجاتی۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے یہ بات ہمارے دلوں میں اتار دے اور ہمیں اس پر عمل کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرما دے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربِّ الْعَالَمِيْنَ

---

(۱) لسان العرب ۷۰/۵ طبع دار صادر بیروت۔

(۲) سورۃ المومنون آیت (۳)۔

دوسروں کو خوش کیجیے

(اصلاحی خطبات ۹/ ۲۸۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسروں کو خوش کیجیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ:
«أَحَبُّ الأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ سُرُورٌ تُدْخِلُهُ عَلَى

مُسْلِمٍ»[۱]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اعمال اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، ان اعمال میں سے ایک عمل کسی مومن کے دل میں خوشی داخل کرنا اور اس کو خوشی سے ہم کنار کرنا ہے۔

اس حدیث کی سند اگرچہ کمزور ہے مگر اس حدیث کا مضمون دوسری حدیث اور دلائل سے بھی ثابت ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اور اپنے قول و فعل کے ذریعے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ کسی بھی صاحبِ ایمان کو خوش کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

میرے بندوں کو خوش رکھو

ہمارے ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اللہ جل جلالہ جواب میں زبان حال سے گویا یوں فرماتے ہیں کہ اگر مجھ

---

(۱) المعجم الكبير للطبرانی ۱۲/۴۵۳ (۱۳۶۴۶)۔وقال الهيثمی فی "مجمع الزوائد" ۸/۳۴۹ (۱۳۷۰۸): رواه الطبراني في الثلاثة، وفيه سكين بن سراج، وهو ضعيف. وشعب الايمان للبيهقی ۱۰/۱۳۰ (۷۲۷۳) من حديث ابی هريرة رضي الله عنه۔و۱۰/۱۳۰ (۷۲۷۴) من مرسل محمد بن المنكدر رحمه الله. والكامل لابن عدی ۷/۲۹ (۳۰۹) من حديث جابر بن عبد الله رضي الله عنهما (طبع مكتبة الرشد) والمعجم الاوسط للطبرانی ۵/۲۰۲ (۵۰۸۱) من حديث عمر بن الخطاب رضي الله عنه (طبع دار الحرمين) وقضاء الحوائج لابن ابی الدنيا ص ۴۷ (۳۶) من حديث عبد الله بن دينار عن بعض اصحاب النبی ﷺ. (طبع مكتبة القرآن)

سے محبت کرتے ہو تو میں تمہارے ساتھ دنیا میں ملنے والا نہیں ہوں کہ تم کسی وقت مجھ سے ملاقات کر کے اپنی محبت کا اظہار کرو، لیکن اگر تم کو میرے ساتھ محبت ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ میرے بندوں کے ساتھ محبت کرو، میری مخلوق سے محبت کرو اور میری مخلوق سے محبت کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو حتی الامکان خوش کرنے کی اور خوش رکھنے کی کوشش کرو۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

اس بارے میں ہمارے معاشرے میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے، اعتدال نہیں ہے۔ کچھ لوگ تو وہ ہیں جو کسی دوسرے مسلمان کے خوش کرنے کو کوئی اہمیت ہی نہیں سمجھتے اور ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ کتنی بڑی عبادت ہے، کسی بھی مسلمان کو خوش کر دیا یا کسی انسان کو خوش کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس پر کتنا اجر وثواب عطا فرماتے ہیں، اس کا ہمیں احساس ہی نہیں بزرگوں نے فرمایا کہ ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است

یعنی کسی مسلمان کا دل ہاتھ میں لے لینا یعنی اس کے دل کو خوش کر دینا یہ حجِ اکبر ہے۔ بزرگوں نے ویسے ہی اس کو حج اکبر نہیں کہہ دیا بلکہ کسی مسلمان کے دل کو خوش کر دینا واقعی اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب اعمال میں سے ہے۔

دوسروں کو خوش کرنے کا نتیجہ

ذرا اس بات کو سوچیں کہ اگر اس حدیث کی تعلیم پر ہم سب عمل کرنے لگیں اور ہر انسان اس بات کی فکر کرے کہ میں کسی دوسرے کو خوش کروں تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے، کوئی جھگڑا باقی نہ رہے، پھر کوئی حسد باقی نہ رہے اور

کسی بھی شخص کو دوسرے سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ لہٰذا اہتمام کر کے دوسرے کو خوش کرو، تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر اور قربانی دے کر دوسروں کو خوش کرو، اگر تم تھوڑی سی تکلیف اٹھا لوگے اور اس کے نتیجے میں دوسرے کو راحت اور خوشی مل جائے گی تو دنیا میں چند لمحوں اور چند منٹوں کی تکلیف اٹھائی ہے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ آخرت میں جو ثواب تمہیں عطا فرمائیں گے وہ دنیا کی اس معمولی سی تکلیف کے مقابلے میں کہیں زیادہ عظیم ہے۔

خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا "صدقہ" ہے

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں کہ یہ عمل بھی صدقہ ہے، فلاں عمل بھی صدقہ ہے فلاں عمل بھی صدقہ ہے اور صدقہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل پر ایسا ہی ثواب ہے جیسے صدقہ کرنے کا ثواب ہے، پھر اسی حدیث کے آخر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وان تلقی اخاك بوجه طلق"(۱)

یعنی ایک صدقہ یہ ہے کہ اپنے بھائی کے ساتھ شگفتہ اور مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملو۔

جب تم کسی سے ملاقات کرو تو تم کو یہ احساس ہو کہ تمہاری ملاقات سے اس کو خوشی ہوئی ہے اور اس ملاقات سے اس کے دل میں ٹھنڈک محسوس ہو۔ اس کو صدقہ کرنے میں شمار فرمایا ہے۔

لہٰذا جو لوگ دوسروں سے ملاقات کے وقت اور برتاؤ کے وقت لیے دیے

---

(۱) صحیح مسلم ۲۰۲۶/۱ (۲۶۲۶)۔ سنن الترمذی ۵۱۵/۳ (۱۹۷۰)۔

رہتے ہیں اور وقار کے پردے میں اپنے آپ کو ریزرو رکھتے ہیں، وہ لوگ سنت طریقہ پر عمل نہیں کرتے، سنت طریقہ یہ ہے کہ جب اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو وہ خوش خلقی کے ساتھ شگفتگی کے ساتھ ملے اور اس کو خوش کرنے کی کوشش کرے۔

گناہ کے ذریعے دوسروں کو خوش نہ کریں

دوسری طرف بعض لوگوں میں یہ بے اعتدالی پائی جاتی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ دوسرے مسلمان کو خوش کرنا بڑی عبادت ہے، لہٰذا ہم تو یہ عبادت کرتے ہیں کہ دوسروں کو خوش کرتے ہیں، چاہے وہ خوش کرنا کسی گناہ کے ذریعے ہو یا کسی ناجائز کام کے ذریعے ہو، جب اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ دوسروں کو خوش کرو تو ہم یہ عبادت انجام دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ گمراہی کی بات ہے، اس لیے کہ دوسروں کو خوش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مباح اور جائز طریقے سے خوش کرو، اب اگر ناجائز طریقے سے دوسروں کو خوش کروگے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کو تو ناراض کردیا اور بندے کو خوش کر دیا، یہ کوئی عبادت نہیں۔ لہٰذا اگر دوسرے کی مروّت میں آکر یا اس کے تعلقات سے مرعوب ہوکر گناہ کا ارتکاب کرلیا تو یہ کوئی دین نہیں، یہ کوئی عبادت نہیں۔

فیضی شاعر کا واقعہ

اکبر بادشاہ کے زمانے میں ''فیضی'' بہت بڑے ادیب اور شاعر گزرے ہیں، ایک مرتبہ وہ حجام سے داڑھی منڈوا رہے تھے، ایک صاحب ان کے پاس سے گزرے، انہوں نے جب دیکھا کہ فیضی داڑھی منڈوا رہے ہیں تو ان سے کہا:

آغا! ریش می تراشی؟

”جناب! آپ یہ داڑھی منڈوا رہے ہیں؟“

جواب میں فیضی نے کہا:

”بلے! ریش می تراشم، ولے دلے کسے نمی خراشم“

”جی ہاں! داڑھی تو منڈوا رہا ہوں، لیکن کسی کا دل نہیں دکھا رہا ہوں“۔

مطلب یہ تھا کہ میرا عمل میرے ساتھ ہے اور میں کسی کی دل آزاری نہیں کر رہا ہوں اور تم نے جو میرے اس عمل پر مجھے ٹوکا تو اس کے ذریعے تم نے میرا دل دکھایا۔ اس پر ان صاحب نے جواب میں کہا کہ

”دلے کسے نمی خراشی، ولے دلے رسول اللہ می خراشی (ﷺ)“۔

یعنی جو یہ کہہ رہے ہو کہ میں کسی کا دل نہیں دکھا رہا ہوں، ارے اس عمل کے ذریعے تم رسول اللہ ﷺ کا دل دکھا رہے ہو۔

اللہ والے دوسروں کو خوش رکھتے ہیں

لہٰذا بعض لوگوں کے ذہن میں بھی اور زبان پر بھی یہ بات رہتی ہے کہ ہم تو دوسرے لوگوں کا دل خوش کرتے ہیں اور اب دوسروں کا دل خوش کرنے کے لیے کسی گناہ کا ارتکاب بھی کرنا پڑا تو کر گزریں گے۔ بھائی! اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو پامال کر کے کسی انسان

کا دل خوش کیا تو کیا خوش کیا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو ناراض کر دیا، یہ تو کوئی عبادت نہیں ہے۔ اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ جو جائز امور ہیں ان میں مسلمانوں کو خوش کرنے کی فکر کرو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ

''یہ معمول صوفیاء کا مثل طبعی کے ہے''۔

یعنی صوفیاءِ کرام جو اللہ کے دوست اور اللہ کے ولی ہوتے ہیں ہر مسلمان کو خوش کرنے کی فکر ان کی طبیعت بن جاتی ہے، ان کے پاس آکر آدمی ہمیشہ خوش ہوکر جاتا ہے ملول ہوکر نہیں جاتا، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے ان کو اس سنت پر عمل کی توفیق ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کو خوش کرتے ہیں پھر آگے فرمایا کہ

خود گناہ میں مبتلا نہ ہو

اس کی ایک شرط ہے وہ یہ کہ اس سرور کو داخل کرنے سے خود شرور میں داخل نہ ہوجائے یعنی دوسروں کا تو دل خوش کر رہا ہے اور اس کو سرور دینے کی فکر میں ہے، لیکن اس کے نتیجے میں خود شرور میں یعنی معاصی اور گناہ میں داخل ہوگیا، یہ نہ کرے۔ آگے فرمایا: جیسا ان لوگوں کا طریقہ ہے جنہوں نے اپنے مسلک کا لقب ''صلحِ کل'' رکھا ہوا ہے۔ یعنی بعض لوگوں نے اپنا مسلک ''صلحِ کل'' بنایا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم تو ''صلحِ کل'' ہیں، لہٰذا کوئی کچھ بھی کرے ہم کسی کو بھی کسی غلطی پر نہیں ٹوکیں گے، کسی بُرائی کو بُرائی نہیں کہیں گے،

کسی بُرائی کی تردید نہیں کریں گے، ہم تو ''صلح کل'' ہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، چنانچہ آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف کو نہ چھوڑے، بعض لوگ تو اسی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے۔ مثلاً اگر فلاں کو نماز پڑھنے کے لیے کہیں گے تو اس کا دل بُرا ہوگا، اگر فلاں کو کسی گناہ پر ٹوکیں گے تو اس کا دل بُرا ہوگا اور ہم سے کسی کا جی بُرا نہ ہو پھر فرمایا کہ

> کیا ان کو قرآن پاک کا یہ حکم نظر نہیں آیا کہ ''وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ''(۱) کہ تم کو اللہ کے دین کے بارے میں ان پر ترس نہ آئے۔

یعنی ایک شخص دین کی خلاف ورزی کر رہا ہے، گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اس کے بارے میں تمہارے دل میں یہ شفقت پیدا نہ ہو کہ اگر میں اس کو گناہ کرنے پر ٹوکوں گا تو اس کا دل دکھے گا۔

نرم انداز سے نہی عن المنکر کرے

البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کو کہنے کے لیے طریقہ ایسا اختیار کرے جس سے اس کا دل کم سے کم دکھے، دل آزار اسلوب اختیار نہ کرے بلکہ نرمی کا انداز ہو، اس میں ہمدردی ہو، محبت ہو، شفقت ہو، خیر خواہی ہو، اخلاص ہو، غصہ نکالنا مقصود نہ ہو، لیکن یہ سوچنا کہ اگر میں اس کو ٹوکوں گا تو اس کا دل دکھے گا، چاہے کتنے بھی نرم انداز میں کہوں تو یہ سوچ درست نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تمام مخلوق کو راضی کرنے سے مقدم ہے، لہٰذا دونوں انتہائی غلط ہیں افراط

(۱) سورۃ النور آیت (۲)۔

بھی اور تفریط بھی، بس اپنی طرف سے ہر مسلمان کو خوش کرنے کی کوشش کرو، لیکن جہاں اللہ کی حدود آجائیں حرام اور ناجائز امور آجائیں تو پھر کسی کا دل دکھے یا خوش ہو اس وقت بس اللہ ہی کا حکم ماننا ہے، اس وقت اطاعت صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کرنی ہے، کسی اور کی پروا نہیں کرنی ہے، البتہ حتی الامکان نرمی کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دوسروں کے مزاج و مذاق کی رعایت کریں

(اصلاحی خطبات ۹/ ۲۹۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسروں کے مزاج و مذاق کی رعایت کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

عن ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ خالقوا الناس باخلاقهم..... او کما قال رسول اللہ ﷺ.(۱)

(۱) المستدرک للحاکم ۳/۳۸۶ (۵۴۶۴) وقال هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه وقال الذهبی فی "التلخیص" ابن یزید لم یخرجوا له. والمعجم الاوسط للطبرانی ۱/۱۵۱ (۴۷۰)۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ ان کے مزاج ومذاق اور اخلاق کے مطابق برتاؤ کرو۔ یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے کہ انسان کو جن لوگوں سے واسطہ پڑے، ان کے مزاج اور مذاق کی رعایت کرکے اور وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو ان کے مزاج ومذاق کے خلاف ہو اور جس سے ان کو تکلیف پہنچے، چاہے وہ کام فی نفسہ جائز ہو، حرام اور ناجائز کام نہ ہو، لیکن یہ خیال کرکے کہ اس کام کے کرنے سے ان کے مزاج پر بار ہوگا تو وہ کام نہ کیا جائے تاکہ اس سے ان کی طبیعت پر کوئی گرانی پیدا نہ ہو۔ دوسرے کے مزاج ومذاق کی رعایت دینی معاشرت کے ابواب میں ایک بڑا عظیم باب ہے، اللہ تعالیٰ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے (آمین) انہوں نے اس باب کو واضح کیا ہے، اس لیے کہ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بڑا عظیم پہلو ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مزاج کی رعایت

چنانچہ حدیث شریف میں واقعہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف فرما تھے اور آپ اس حالت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے ایک تہہ بند پہنا ہوا تھا اور وہ تہہ بند کافی اوپر تک چڑھا ہوا تھا، روایات میں آتا ہے کہ گھٹنے تک چڑھا ہوا تھا، ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب گھٹنے کا حصہ ستر میں داخل قرار نہیں دیا گیا تھا، بعض روایات میں آتا ہے کہ گھٹنے ڈھکے ہوئے تھے۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت دے دی، وہ اندر آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے اور آپ جس انداز

میں بیٹھے ہوئے تھے اسی انداز میں بیٹھے رہے اور آپ کے پاؤں مبارک کھلے رہے، تھوڑی دیر کے بعد پھر دروازے پر دستک ہوئی پتہ چلا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی اندر آنے کی اجازت دے دی، وہ بھی آکر حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں بیٹھے رہے اور اپنی ہیئت میں آپ نے کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر دروازے پر دستک ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کون ہیں؟ پتہ چلا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں، آپ نے فوراً اپنا تہہ بند نیچے کر کے اپنے پاؤں مبارک اچھی طرح ڈھک لیے، پھر فرمایا کہ ان کو اندر بلالو، چنانچہ وہ بھی اندر آکر بیٹھ گئے۔

ان سے تو فرشتے بھی حیا کرتے ہیں

ایک صاحب یہ سب منظر دیکھ رہے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے اپنا تہہ بند نیچے نہیں کیا بلکہ ویسے ہی بیٹھے رہے، جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے تب بھی آپ اسی طرح بیٹھے رہے، لیکن جب حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے اپنی ہیئت میں تبدیلی پیدا فرمائی، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

> میں اس شخص سے کیوں حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں [1]

---

(۱) صحیح مسلم ۱۸۶٦/٤ (٢٤٠١)۔

کامل الحیاء والایمان

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خاص وصف ''حیاء'' تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ''حیاء'' میں ان کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا اور آپ کا لقب ''کامل الحیاء والایمان'' تھا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام صحابہ کے مزاجوں سے واقف تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جانتے تھے کہ ان کے اندر حیاء بہت ہے، اگرچہ گھٹنے تک پاؤں کھلا ہونا کوئی ناجائز بات نہیں تھی اس لیے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آنے پر بھی کھلا رکھا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آنے پر بھی کھلا رکھا، لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آنے پر یہ سوچا کہ چونکہ ان کی طبیعت میں حیاء زیادہ ہے، اگر ان کے سامنے اسی طرح بیٹھا رہوں گا تو ان کی طبیعت پر ناگوار ہوگا اور ان کی طبیعت پر بار ہوگا، اس وجہ سے ان کے اندر آنے سے پہلے پاؤں کو ڈھک لیا اور تہہ بند کو نیچے کرلیا۔

وہ حضرات صحابہ جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار تھے، ان کے مزاجوں کی آپ نے اتنی رعایت فرمائی۔ فرض کریں کہ اگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آنے پر اسی طرح بیٹھے رہتے جس طرح بیٹھے ہوئے تھے تو ان کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا شکوہ ہوسکتا تھا؟ لیکن آپ نے اس بات کی تعلیم دے دی کہ تمہارے تعلق والوں میں جو شخص جیسا مزاج رکھتا ہو اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرو، دیکھیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کتنی باریک بینی سے اپنے رفقاء کے مزاجوں کا خیال فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مزاج کی رعایت

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر (رضی اللہ عنہ) میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے، میں نے خواب میں جنت دیکھی اور اس جنت میں ایک بڑا عالیشان محل بنا ہوا دیکھا، میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر (رضی اللہ عنہ) کا محل ہے، ان کے لیے تیار کیا گیا ہے، وہ محل مجھے اچھا لگا کہ میرا دل چاہا کہ اندر چلا جاؤں اور اندر جاکر دیکھوں کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کا محل کیسا ہے؟ لیکن پھر اے عمر! تمہاری غیرت یاد آگئی کہ تمہاری طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے غیرت بہت رکھی ہے، مجھے یہ خیال ہوا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) سے پہلے ان کے محل میں داخل ہو جانا اور اس کو دیکھنا ان کی غیرت کے مطابق نہیں ہوگا، اس وجہ سے میں اس محل میں داخل نہیں ہوا، جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو رو پڑے اور عرض کیا کہ

اَوَعَلَيْكَ يَارَسُولَ اللّٰهِ اَغَارُ

یا رسول اللہ! کیا میں آپ پر غیرت کروں گا۔

اگر غیرت ہے بھی تو وہ دوسروں کے حق میں ہے، کیا آپ پر غیرت کروں گا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے محل میں کیوں داخل ہوئے (۱)۔

ایک ایک صحابی کی رعایت کی

آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کیسے لطیف

---

(۱) صحیح البخاری ۱۱۷/۴ (۳۲۴۲)۔

پیرائے میں اپنے اصحاب کے مزاجوں کی رعایت کی، یہ نہیں تھا کہ چونکہ ہم امام ہیں اور یہ ہمارے مقتدی ہیں، ہم پیر ہیں اور یہ ہمارے مرید ہیں، ہم استاد ہیں اور یہ ہمارے شاگرد ہیں، لہٰذا سارے حقوق ہمارے ہوگئے اور ان کا کوئی حق نہ رہا، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک صحابی کی رعایت کر کے دکھائی۔

امہات المؤمنین اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مزاج کی رعایت

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کا ارادہ فرمایا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا دل بھی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھوں، ویسے تو خواتین کے لیے مسجد میں اعتکاف کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے، خواتین کو اعتکاف کرنا ہو تو اپنے گھر میں کریں؟ لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ اس لحاظ سے مختلف تھا کہ ان کے گھر کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا، اب اگر ان کے گھر کے دروازے کے ساتھ ہی ان کی اعتکاف کی جگہ بنا دی جاتی اور اس کے ساتھ ہی حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کی جگہ ہوتی تو کسی بے پردگی کا احتمال نہ ہوتا، جب ضرورت ہوتی تو گھر میں چلی جاتیں اور پھر واپس آکر اپنے اعتکاف میں بیٹھ جاتیں، اس لیے اگر وہ مسجد میں اعتکاف فرماتیں تو کوئی خرابی لازم نہ آتی، اسی وجہ سے جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ میں آپ کے ساتھ اعتکاف کرنا چاہتی ہوں تو آپ نے اجازت دیدی۔

لیکن جب ۲۰ رمضان المبارک کی تاریخ آئی تو اس دن آپ کہیں باہر تشریف لے گئے تھے جب واپس تشریف لائے اور مسجد نبوی میں پہنچے تو آپ

نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں بہت سارے خیمے لگے ہوئے ہیں، آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ خیمے کس کے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ امہات المؤمنین کے خیمے ہیں، جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اعتکاف کرنے کی اجازت مل گئی تو دوسری ازواج مطہرات نے چاہا کہ ہم بھی یہ سعادت حاصل کرلیں، لہٰذا انہوں نے بھی اعتکاف کے لیے اپنے اپنے خیمے لگادیے۔ اب اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ احساس ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ تو مختلف تھا اس لیے کہ ان کا گھر تو مسجدِ نبوی سے بالکل متصل تھا اور دوسری ازواج مطہرات کے مکان تو مسجدِ نبوی سے دور ہیں، اگر انہوں نے بھی اعتکاف کیا تو ان کا بار بار آنا جانا رہے گا، اس میں بے پردگی کا احتمال ہے اور اس طرح خواتین کا مسجد کے اندر اعتکاف کرنا مناسب بھی نہیں ہے، اس لیے آپ نے ان کے خیمے دیکھ کر ارشاد فرمایا:

آلْبِرَّ يُرِدْنَ؟

کیا یہ خواتین کوئی نیکی کرنا چاہتی ہیں؟

مطلب یہ تھا کہ اس طرح خواتین کا مسجد میں اعتکاف کرنا کوئی نیکی کی بات نہیں۔ اس سال ہم بھی اعتکاف نہیں کریں گے، لیکن اب مشکل یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی اجازت دے چکے تھے، اگرچہ ان کو اجازت دینے کی وجہ واضح تھی اور دوسری امہات المؤمنین میں وہ وجہ موجود نہیں تھی، لیکن آپ نے سوچا کہ اگر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ باقی رکھوں گا اور دوسری امہات المؤمنین کو منع کردوں گا تو ان کے مزاج پر بار ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو اجازت دے دی اور ہمیں اجازت نہ ملی، لہٰذا جب آپ نے دوسری امہات المؤمنین کے خیمے اٹھوائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم

بھی اپنا خیمہ اٹھا لو؟ لیکن پھر خیال آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ پہلے صراحتاً اجازت دیدی گئی تھی اب اگر اچانک ان سے خیمہ اٹھانے کو کہا جائے تو ان کی طبیعت پر بار ہوگا، اس لیے ان کا خیال کرتے ہوئے آپ نے یہ اعلان فرمادیا کہ اس سال ہم بھی اعتکاف نہیں کریں گے، چنانچہ اس سال آپ نے اعتکاف ہی نہیں فرمایا[1]۔

اعتکاف کی تلافی

بہر حال! امہات المؤمنین کے مزاجوں کی رعایت کے نتیجے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ اٹھوادیا اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مزاج کی رعایت کرتے ہوئے اپنے ساتھ یہ معاملہ فرمایا کہ وہ معمول جو ساری عمر کا چلا آرہا تھا کہ ہر رمضان المبارک میں آپ اعتکاف کیا کرتے تھے، محض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دل شکنی کے اندیشہ میں اس معمول کو توڑ دیا، پوری حیاتِ طیبہ میں یہ سال ایسا تھا جس میں آپ نے اعتکاف نہیں فرمایا، لیکن بعد میں اس کی تلافی اس طرح فرمائی کہ شوال میں دس دن کا اعتکاف فرمایا۔[2]

یہ بھی سنت ہے

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی کیسی رعایتیں اپنے چھوٹوں کے ساتھ بھی فرمائیں اور ایک شرعی حکم کی وضاحت کے معاملے میں بھی

---

(۱) السنن الکبری للنسائی ۱/۳۹۲ (۷۹۰) وصحیح ابن خزیمۃ ۳/۳٤٥ (۲۲۲٤) طبع المکتب الاسلامی۔ واصلہ فی صحیح البخاری ۳/٤۸ (۲۰۳۳)۔
(۲) صحیح البخاری ۳/٤۸ (۲۰۲۷)۔

ایسا طریقہ اختیار فرمایا جس سے دوسرے کی طبیعت پر بار نہ ہو، حکم کی وضاحت بھی فرما دی، اس پر عمل بھی کرلیا اور دوسروں کی دل شکنی سے بھی بچ گئے اور ساتھ میں آپ نے اپنے عمل سے یہ تعلیم بھی دے دی کہ جو عمل فرض یا واجب نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے، اگر آدمی کسی کی دل شکنی سے بچنے کے لیے اس مستحب کام کو مؤخر کردے یا چھوڑ دے تو یہ عمل بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا حصہ ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب رحمہ اللہ کا ہر رمضان میں یہ معمول تھا کہ جب عصر کی نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے تو مغرب تک اعتکاف کی نیت سے مسجد ہی میں قیام فرمایا کرتے تھے، وہاں تلاوت، ذکر و اذکار، تسبیحات اور مناجات میں مشغول رہتے تھے اور جو باقی وقت ملتا تو آخر میں لمبی دعا فرمایا کرتے تھے اور وہ دعا افطار کے وقت تک جاری رہتی تھی، حضرت والا اپنے متوسلین کو بھی یہ مشورہ دیا کرتے تھے کہ وہ بھی اپنا یہ معمول بنا لیں، کیونکہ اس کے اندر آدمی کا وقت مسجد میں گزر جاتا ہے، اعتکاف کی فضیلت بھی حاصل ہوجاتی ہے اور معمولات بھی پورے ہو جاتے ہیں اور آخر میں دعا کی توفیق بھی ہوجاتی ہے اور یہ دعا تو رمضان المبارک کا حاصل ہے، اس لیے کہ اس وقت دن ختم ہو رہا ہوتا ہے اور افطار کا وقت قریب ہوتا ہے اور اس وقت آدمی کی طبیعت میں شکستگی ہوتی ہے اور اس شکستگی کی حالت میں جو دعائیں کی جاتی ہیں وہ بڑی ہی قبول ہوتی ہیں۔ حضرت والا اکثر اپنے متوسلین کو مشورہ دیا کرتے تھے، بلکہ تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ایسا کرلیا کرو، چنانچہ حضرت والا کے متوسلین میں اس طریقہ پر عمل اب بھی جاری ہے۔

مسجد کے بجائے گھر پر وقت گزاریں

ایک مرتبہ حضرت والا کے متوسلین میں سے ایک صاحب نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق اپنا یہ معمول بنایا ہوا تھا کہ عصر سے لے کر مغرب تک کا وقت مسجد میں گذارتا اور وہاں بیٹھ کر تلاوت، ذکر واذکار اور تسبیحات اور دعا میں مشغول رہتا، ایک دن میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ آپ سارا دن ویسے بھی باہر رہتے ہیں، لے دیکر عصر کے بعد کا وقت ہوتا تھا اس میں ہم بیٹھ کر کچھ باتیں کرلیا کرتے تھے اور افطار کے وقت ایک ساتھ افطار کرنے کی راحت حاصل ہوتی تھی اب آپ نے چند روز سے یہ طریقہ اختیار کرلیا ہے کہ عصر کی نماز کے بعد آپ مسجد میں جاکر بیٹھ جاتے ہیں اور مغرب تک آپ وہیں رہتے ہیں اور عصر کے بعد اکٹھے بیٹھ کر بات چیت کرنے اور ایک ساتھ افطار کرنے کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا، حضرت! اب کشمکش میں مبتلا ہوگیا ہوں کہ عصر کے بعد کا وقت مسجد میں گزارنے کا یہ معمول جاری رکھوں یا بیوی کے کہنے کے مطابق اس معمول کو چھوڑ دوں اور گھر پر وقت گزاروں؟ حضرت والا نے ان کی بات سنتے ہی فرمایا کہ آپ کی بیوی ٹھیک کہتی ہیں، لہٰذا آپ ان کے کہنے کے مطابق مسجد میں وقت گزانے کے بجائے گھر پر ہی وقت گزارا کریں اور گھر میں ان کے پاس بیٹھ کر جو تلاوت، ذکر و اذکار کرسکتے ہیں کرلیا کریں اور پھر ایک ساتھ روزہ افطار کیا کریں۔

تمہیں اس پر پورا ثواب ملے گا

پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ میں نے جو معمول بتایا تھا وہ زیادہ سے زیادہ

مستحب عمل ہے اور جو بات ان کی بیوی نے کہی تو اس کے حقوق میں یہ بات داخل ہے کہ شوہر جائز حدود میں رہتے ہوئے اس کی دلداری کرے اور بعض اوقات یہ دلداری واجب ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر اس کا دل خوش کرنے کے لیے تم اپنا یہ معمول چھوڑ دو گے تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ اس معمول کی برکات سے محروم نہیں فرمائیں گے۔ اس لیے کہ اس کا دل رکھنے کے لیے اور اس کی مزاج کی رعایت کرنے کے لیے یہ معمول چھوڑا ہے، ان شاء اللہ تمہیں وہ اجر وثواب حاصل ہوگا جو اس معمول کے پورا کرنے پر حاصل ہوتا۔

ذکر و اذکار کے بجائے تیمارداری کریں

ایک مرتبہ ہمارے حضرت والا نے فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے معمولات پورے کرنے کے لیے ایک خاص وقت مقرر کیا ہوا تھا، اس وقت میں وہ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض معروض کیا کرتا تھا، ذکر و تسبیح کیا کرتا تھا۔ اب اچانک گھر میں کوئی بیمار ہو گیا، والد بیمار ہو گئے یا والدہ بیمار ہو گئیں یا بیوی بچے بیمار ہو گئے، اب یہ شخص ان کی تیمارداری اور خدمت میں لگا ہوا ہے جس کے نتیجے میں اس کے ذکر و اذکار اور تسبیحات کا معمول پورا نہیں ہو رہا ہے اور اس کی وجہ سے اس کا دل دکھ رہا ہے کہ یہ وقت اب تک تو عبادت اور ذکر و اذکار میں گزر رہا تھا اور اب یہ تیمارداری اور خدمت میں گذر رہا ہے۔

فرمایا کہ یہ دل دکھانے کی بات نہیں، کیونکہ اس وقت ان لوگوں کی تیمارداری اور خدمت کرنا یہی عبادت ہے اور ذکر و اذکار سے زیادہ افضل ہے۔

وقت کا تقاضا دیکھیے

فرمایا کہ دین دراصل وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام ہے، دیکھو اس وقت تم سے کیا مطالبہ ہے؟ اس وقت تم سے مطالبہ یہ ہے کہ اس ذکر کو چھوڑو اور بیمار کی خدمت کرو اور یہ کام کرتے وقت یہ مت خیال کرو کہ جو ذکر و تسبیح کیا کرتے تھے اس سے محرومی ہوگئی ہے، اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرمائیں گے، کیونکہ صحیح داعیے کے تحت تم نے ذکر و اذکار چھوڑا ہے۔

رمضان کی برکات سے محروم نہیں ہوگا

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت والا نے فرمایا کہ فرض کریں کہ ایک شخص رمضان میں بیمار ہوگیا یا سفر پر چلا گیا اور اس بیماری یا سفر کی وجہ سے رمضان کا روزہ نہ رکھ سکا تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر بیماری یا سفر کے عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو بعد میں قضا کرلے، چنانچہ بعد میں اس نے اس روزے کی قضا کرلی، تو چونکہ عذر شرعی تھا اس لیے جب وہ شخص عام دنوں میں رمضان کے اس روزے کی قضا کرے گا تو جس دن میں وہ قضا روزہ رکھے گا اس شخص کے حق میں اس دن رمضان ہی کا دن واپس آگیا، وہ سارے انوار و برکات جو رمضان کے دنوں میں تھے وہ سب اس دن اس کے حق میں لوٹ آئیں گے۔ اس لیے کہ عذر کی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ نے اس کو رخصت عطا کی تھی تو کیا اس کو رمضان کی برکات سے محروم کردیں گے؟ نہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ بات بعید ہے کہ اس کو رمضان کی برکات سے محروم کردیں۔

لہٰذا اگر کوئی شخص جائز عذر کی بنا پر اپنا کوئی معمول چھوڑ رہا ہے یا مؤخر کر رہا ہے تو ان شاء اللہ اس کام کے اندر بھی اس کو وہ سارے انوار و برکات حاصل ہو جائیں گے، بس وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام دین ہے، یہ نہ ہو کہ آپ یہ کہہ دیں کہ وقت ہمارے ذکر و اذکار کا ہے یا تلاوت کا ہے، کوئی اگر مر رہا ہے تو مرے یا اگر کوئی بیمار پڑا ہے تو پڑا رہے، یہ کوئی دین کی بات نہیں ہے، بلکہ وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام دین ہے۔

بے جا اصرار نہ کریں

لہٰذا مزاجوں کی رعایت کرو اور کسی شخص کے ساتھ برتاؤ کرتے وقت یہ دیکھو کہ میرے اس عمل سے اس شخص کے مزاج کے پیش نظر اس کی طبیعت پر کوئی گرانی تو نہیں ہوگی، کوئی بار تو نہیں ہوگا، اس کی رعایت رکھو اور یہ اصلاح معاشرت کی تعلیم کا بڑا عظیم باب ہے، آج کل لوگ اس کا خیال نہیں کرتے، مثلاً کسی کی طبیعت پر کوئی کام بہت بوجھ ہوتا ہے اب اگر آپ اس کو اس کام پر اصرار کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ وہ بیچارہ اصرار سے مغلوب ہو کر آپ کی بات مان لے، لیکن آپ نے اس کی طبیعت پر جو بوجھ ڈالا اور جو گرانی آپ نے پیدا کی اور اس سے جو تکلیف اس کو پہنچی اس کا سبب آپ بنے، کیا معلوم اس کے سبب آپ گناہ میں مبتلا ہو گئے ہوں العیاذ باللہ۔

سفارش اس طرح کی جائے

مثلاً آج کل سفارش کرانے کا سلسلہ چل پڑا ہے، کسی دوسرے سے تعلقات کا ایک لازمی حصہ یہ ہے کہ ضرور وہ میری سفارش کرے اور سفارش

کرنے کے بارے میں قرآنِ کریم کی یہ آیت بہت یاد رہتی ہے کہ

مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنۡ لَّهٗ نَصِيۡبٌ مِّنۡهَا (۱)

یعنی جو شخص اچھی سفارش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کام میں اس کا حصہ بھی لگا دیتے ہیں اور اچھی سفارش کرنے کی بڑی فضیلت ہے اور واقعۃً بڑی فضیلت ہے، لیکن لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ سفارش اس وقت باعثِ فضیلت ہے جب اس بات کا لحاظ کرتے ہوئے سفارش کی جائے کہ جس سے سفارش کی جارہی ہے اس کی طبیعت پر بار نہ ہو، اب اگر آپ نے ایک شخص کی رعایت اور اس کی دل داری کی خاطر اس کی سفارش تو کردی، لیکن جس کے پاس سفارش کی اس کی طبیعت پر ایک پہاڑ ڈال دیا، وہ تو یہ سوچے گا کہ اتنا بڑا شخص مجھ سے سفارش کر رہا ہے اب اگر میں اس سفارش کو قبول کروں تو مشکل، اس لیے اس کی وجہ سے اپنے اصول اور قاعدے توڑنے پڑتے ہیں اور اگر سفارش قبول نہ کروں تو اس کی دل شکنی ہوتی ہے۔ یہ سفارش نہ ہوئی، یہ تو دباؤ ڈالنا ہوا۔ لہٰذا دوسرے کے مزاج کی رعایت رکھتے ہوئے سفارش کرنی چاہیے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمیشہ کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کسی کی سفارش کرتے تو یہ عبارت ضرور لکھتے کہ ''اگر آپ کی مصلحت اور اصول کے خلاف نہ ہو تو آپ ان کا یہ کام کر دیجیے''۔ بعض اوقات یہ عبارت بھی بڑھا دیتے کہ ''اگر آپ کی کسی مصلحت کے خلاف ہو اور آپ یہ کام نہ کریں تو مجھے ادنیٰ ناگواری نہیں ہوگی''۔ یہ عبارت اس لیے لکھ دیتے تاکہ اس کے دل پر بوجھ نہ ہو۔ یہ ہے سفارش کا طریقہ۔

---

(۱) سورۃ النساء آیت (۸۵)۔

ایک صاحب میرے پاس آئے اور تعلقات کی مد میں کہنے لگے کہ دیکھو بھائی! میں تم سے ایک کام کہنا چاہتا ہوں، میں نے پوچھا کہ کیا کام ہے؟ کہنے لگے کہ ایسے نہیں، بلکہ پہلے یہ وعدہ کرو کہ یہ کام کرو گے۔ میں نے کہا کہ جب تک مجھے پتہ نہیں کہ وہ کام کیا ہے، میں کیسے وعدہ کرلوں کہ میں یہ کام کروں گا۔ وہ کہنے لگے کہ نہیں، پہلے وعدہ کرو کہ میرا وہ کام کرو گے۔ میں نے کہا کہ اگر وہ کام ایسا ہوا جو میرے بس میں نہ ہو تو پھر کیا کروں گا۔ کہنے لگے کہ وہ کام آپ کے بس میں ہے۔ میں نے کہا، بتا تو دیں کہ وہ کیا کام ہے؟ کہنے لگے کہ میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گا جب تک آپ یہ وعدہ نہ کریں کہ میں یہ کام کروں گا۔

میں نے ان کو ہزار سمجھایا کہ پہلے اس کام کی کچھ تفصیل تو معلوم ہو تو وعدہ کروں، ایسے کیسے وعدہ کرلوں، کہنے لگے کہ اگر آپ انکار کررہے ہیں تو یہ تعلقات کے خلاف بات ہوگی، اب آپ بتائیں کہ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ یہ تو ایک شخص کو دباؤ میں ڈالنا ہے کہ جب تک اس کام کو کرنے کا وعدہ نہیں کروگے اس وقت تک بتائیں گے بھی نہیں، چنانچہ آج کے تعلقات کا یہ لازمی حصہ ہے کہ آدمی دوسرے کی سفارش کرے، حالانکہ یہ بات اسلامی آداب معاشرت کے قطعی خلاف ہے اس لیے کہ آپ نے ایک آدمی کو ذہنی کشمکش میں مبتلا کردیا اور بلاوجہ ایک آدمی کو کشمکش اور ذہنی پریشانی میں ڈالنا گناہ ہے۔

تعلق ''رسمیات'' کا نام ہوگیا ہے

آج کل تعلق اور محبت صرف ''رسمیات'' کا نام ہوگیا ہے، اب اگر وہ ''رسمیات'' پوری ہورہی ہیں تو تعلقات کا حق ادا ہورہا ہے اور اگر ''رسمیات''

پوری نہیں ہورہی ہیں تو تعلقات کا حق ادا نہ ہوا۔ مثلاً اگر کسی کو دعوت دی تو بس اب اس کے سر پر بیٹھے ہوئے ہیں کہ ضرور اس دعوت کو قبول کریں۔ اس کا احساس نہیں کہ اس دعوت کی وجہ سے وہ کتنی دور سے آئے گا، کتنی تکلیف اٹھا کر دعوت میں شرکت کرے گا، اس کے حالات دعوت قبول کرنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں، اس سے اس دعوت دینے والے کو کوئی بحث نہیں، اس کو دعوت ضرور دینی ہے اور اس کو بلانا ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت

ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین، یہ بزرگ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے خاص دوستوں میں سے تھے، ایک مرتبہ لاہور سے کراچی تشریف لائے اور والد صاحب سے ملاقات کے لیے دارالعلوم تشریف لائے اور ایسے وقت تشریف لائے کہ وہ کھانے کا وقت نہیں تھا، ان کے آنے پر حضرت والد صاحب بہت خوش ہوئے اور بڑے شاندار طریقے سے ان کا استقبال کیا، جب وہ رخصت ہونے لگے تو حضرت والد صاحب نے عرض کیا کہ ”بھائی مولانا ادریس صاحب! میرا دل چاہ رہا تھا کہ ایک وقت کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھالیتے“، لیکن مصیبت یہ ہے کہ آپ کا قیام بہت دور ہے اور آپ کے پاس وقت کم ہے، ایک دن کے بعد آپ واپس لاہور جارہے ہیں، اب اگر میں آپ پر یہ اصرار کروں کہ آپ ایک وقت کا کھانا میرے ساتھ کھائیں تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ دعوت نہ ہوگی، بلکہ عداوت ہوجائے گی، اس لیے کہ آپ کے پاس وقت کم ہے۔ آپ اتنی دور سے دعوت کھانے کے لیے آئیں گے تو اس میں

چار پانچ گھنٹے آپ کے صرف ہو جائیں گے، اس میں آپ کو مشقت اور تکلیف ہوگی، اس لیے میں آپ کی دعوت تو نہیں کرتا اگرچہ میرا دل دعوت کرنے کو چاہ رہا ہے، لیکن دعوت کے بغیر بھی دل نہیں مانتا، اس لیے میں آپ کی خدمت میں تھوڑا سا ہدیہ پیش کرتا ہوں اور جتنے پیسے میں دعوت میں خرچ کرتا اتنے پیسے آپ میری طرف سے ہدیہ میں قبول کر لیجیے۔ حضرت مولانا ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ پیسے لیے اور اپنے سر پر رکھ لیے اور فرمایا کہ یہ میرے لیے بڑی عظیم نعمت ہے اور واقعہ یہ ہے کہ میرا دل بھی یہ چاہ رہا تھا کہ آپ کے پاس حاضر ہو کر آپ کے ساتھ کھانا کھاؤں، لیکن وقت میرے پاس اتنا کم ہے کہ اس کے اندر گنجائش نظر نہیں آرہی تھی اور آپ نے پہلے ہی میرے لیے یہ راستہ آسان کر دیا۔

اب بتائیے، اگر والد صاحب ان سے یہ کہتے کہ نہیں، ایک وقت کا کھانا آپ کو میرے ساتھ ضرور کھانا پڑے گا اور وہ جواب میں یہ کہتے کہ میرے پاس تو وقت نہیں ہے، والد صاحب کہتے کہ نہیں بھائی! دوستی کا تقاضا تو یہی ہے کہ ایک وقت کا کھانا آپ ضرور میرے ساتھ آکر کھائیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جس کام کے لیے وہ اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہیں وہ کام چھوڑتے اور دعوت کھانے کے لیے پانچ گھنٹے قربان کرتے۔ یہ دعوت نہ ہوتی، بلکہ عداوت ہوتی۔

محبّت نام ہے محبوب کو راحت پہنچانے کا

آج ان رسمیات نے نہ صرف ہمارے معاشرے کو تباہ کر رکھا ہے، بلکہ دین کے اخلاق و آداب سے بھی ہمیں دور کر دیا ہے، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب صورت بات ارشاد فرمائی ہے، اگر اللہ تعالیٰ یہ بات ہمارے دلوں میں اتار دے تو ہمارے سارے کام سنور جائیں، فرمایا کہ ''محبت نام ہے محبوب

کو راحت پہنچانے کا'' جس سے محبت ہے اس کو آرام پہنچاؤ، اپنی من مانی کرنے اور اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا نام محبت نہیں اگر محبت کرنے والا عاشق نادان اور بیوقوف ہو تو اس کی محبت سے محبوب کو تکلیف پہنچ جاتی ہے، لیکن ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق یہ ہے کہ محبت سے تکلیف پہنچنے کے کوئی معنی نہیں ہیں، اگر تم کو کسی سے محبت ہے تو اس کو تکلیف مت پہنچاؤ، بلکہ راحت پہنچاؤ، چاہے اپنے جذبات کو قربان کرنا پڑے، لیکن راحت پہنچاؤ۔

یہ سب حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تشریح ہو رہی ہے کہ ''خالقوا الناس باخلاقھم'' لوگوں کے ساتھ ان کے مزاج کے مطابق معاملہ کرو، جس سے معاملہ کرنے جا رہے ہو پہلے یہ دیکھ لو کہ اس کا مزاج کیا ہے، اس کے مزاج پر یہ بات بار تو نہیں ہوگی، ناگوار تو نہیں ہوگی اور یہ چیز بزرگوں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، ہمارا تو یہی تجربہ ہے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خانقاہ میں لوگوں کی اس طرح تربیت فرمائی کہ لوگوں کے مزاج کی کس طرح رعایت رکھی جاتی ہے، لوگوں کے ایک ایک عمل پر نگاہ رکھی اور ان کو یہ تعلیم دی کہ اس موقع پر آپ کو یہ عمل کرنا چاہیے۔

یہ آداب المعاشرت کے سلسلے کی آخری حدیث تھی، اس میں سارے احکام اور سارے آداب کی بنیادیں فرمادی ہیں کہ اپنی ذات سے دوسروں کو ادنی تکلیف نہ پہنچے اس بات کا آدمی اہتمام کرے ہر کام کرنے سے پہلے آدمی یہ سوچے کہ اس کام سے دوسروں کو تکلیف تو نہیں پہنچے گی اور دوسرے کی مزاج کی رعایت کرے۔ ایک شاعر گزرے ہیں جن کا نام ہے'' جگر مراد آبادی مرحوم'' یہ بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں پہنچ گئے تھے، ان کا ایک شعر بڑے کام

کا ہے، اگر یہ شعر ہمارا لائحہ عمل بن جائے تو یہ سارے اسلامی آداب معاشرت کا خلاصہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ۔

اس نفع و ضرر کی دنیا میں یہ ہم نے لیا ہے درسِ جنوں
اپنا تو زیاں منظور سہی اوروں کا زیاں منظور نہیں

یعنی اس دنیا میں سارے کام اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق نہیں ہوتے، لیکن اس دنیا کے کام اپنی طبیعت کے خلاف ہو جائیں اور اپنے اوپر مشقت اٹھالیں اور اپنی طرف سے قربانی دیدیں، تو یہ ہمیں منظور ہیں، لیکن دوسروں کو ہم سے کوئی مالی جانی، ذہنی، نفسیاتی نقصان پہنچ جائے تو یہ ہمیں منظور نہیں یہی سارے دین کی تعلیم ہے اور یہی آداب معاشرت کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دوسروں کی چیزوں کا استعمال

(اصلاحی خطبات ۱۱/۱۴۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسروں کی چیزوں کا استعمال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عن المستورد بن شداد ﷺ حدثه ان رسول اللہ ﷺ قال: «مَنْ اَکَلَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ اَکْلَۃً، فَاِنَّ اللّٰہَ یُطْعِمُہٗ مِثْلَھَا مِنْ جَھَنَّمَ، وَمَنْ کَسٰی ثَوْبًا بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ، فَاِنَّ اللّٰہَ یَکْسُوہُ مِثْلَہٗ مِنْ جَھَنَّمَ، وَمَنْ قَامَ بِرَجُلٍ مَقَامَ سُمْعَۃٍ وَرِیَاءٍ، فَاِنَّ اللّٰہَ یَقُومُ بِہٖ مَقَامَ

سُمْعَةٍ وَرِيَاءٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(۱)

دوسروں کو تکلیف دے کر اپنا مفاد حاصل کرنا

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کے ذریعے کوئی لقمہ کھائے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کی حق تلفی کر کے یا کسی مسلمان کو تکلیف پہنچا کر یا کسی مسلمان کو بدنام کر کے اپنا کوئی مفاد حاصل کرے، جیسے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی معیشت کا دار و مدار اس پر ہے کہ دوسروں کو تکلیف پہنچا کر اپنے کھانے کا سامان کرتے ہیں۔ مثلاً رشوت لے کر کھانا کھایا، اب اس نے درحقیقت ایک مسلمان کو ناحق تکلیف پہنچا کر کھانا کھایا، اسی طرح اگر کسی کو دھوکہ دے کر اس سے پیسے حاصل کر لیے تو اس نے بھی ایک مسلمان کو تکلیف پہنچا کر کھانا کھایا، اسی طرح کسی مسلمان کو بدنام کر کے پیسے حاصل کر لیے، جیسے آج کل نشر و اشاعت اور پبلسٹی کا زمانہ ہے، بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے نشر و اشاعت کے ذریعے لوگوں کی بلیک میلنگ کو اپنا پیشہ اور ذریعۂ آمدنی بنا کر رکھا ہے۔ اب ایسا شخص دوسروں کو بدنام کر کے پیسے حاصل کرتا ہے اور کھانا کھاتا ہے۔ یہ تمام

---

(۱) سنن أبی داود ٤/٢٧٠ (٤٨٨١) والحدیث سکت عنه أبو داود وقال المنذری فی "مختصره" ٤/٣٩٢ (٤٧١٣) وفی إسناده بقية بن الوليد وعبد الرحمن بن ثابت، وهما ضعيفان ومسند أحمد٢/ ٥٣٩ (١٨٠١١) وقال الساعاتی فی "الفتح الربانی" ٢٤١/١٩ وسنده عند الإمام أحمد جيد؛ لأنه ليس فی اسناده من ذكرهما المنذری وسليمان وهو ابن موسى صدوق ثبت، ووقاص بن ربيعة وثقه ابن حبان (طبع دار إحياء التراث العربی).

صورتیں اس حدیث کے مفہوم کے اندر داخل ہیں کہ جو شخص کسی مسلمان کو تکلیف پہنچا کر کھانا کھائے تو جتنا کھانا اس نے اس طریقے سے حاصل کر کے کھایا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کھانے کے وزن کے برابر جہنم کے انگارے کھلائیں گے۔

دوسروں کو تکلیف دے کر لباس یا شہرت حاصل کرنا

اسی طرح جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچا کر اور اس کی حق تلفی کر کے پیسے کمائے گا اور پھر ان پیسوں سے لباس بنائے گا تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کا اتنا ہی لباس پہنائیں گے یعنی آگ کے انگاروں کا لباس پہنائیں گے۔

اسی طرح جو شخص دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچا کر شہرت کے مقام تک پہنچے، جیسے بعض لوگ دوسروں کی برائی کر کے اپنی اچھائی ثابت کرتے ہیں، چنانچہ الیکشن کے دوران لوگ یہ کام کرتے ہیں کہ انتخابی جلسوں میں دوسروں کی خرابیاں بیان کر کے اپنی اچھائی بیان کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بدنامی کے مقام پر کھڑا کریں گے، یہاں دنیا میں تو اس نے نیک شہرت حاصل کر لی، لیکن اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ وہاں اس کو بُری شہرت عطا فرمائیں گے اور برسرِعام اس کو رسوا کریں گے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے مسلمان کو تکلیف پہنچا کر شہرت کا مقام حاصل کیا تھا۔

اس حدیث سے آپ اندازہ لگائیں کہ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا اور اس کے حق کو پامال کرنا کتنا خطرناک کام ہے اور یہ کتنی بُری بلا ہے۔ اس لیے میں بار بار یہ عرض کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنے برتاؤ اور اپنے طرزِ عمل میں اس بات کو

مدِّ نظر رکھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے کا حق پامال ہو جائے اور پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کا حساب ہم سے لے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

دوسرے کی چیز لینا

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی ساتھی یا دوست کا سامان نہ مذاق میں لے اور نہ سنجیدگی میں لے۔(۱)

ایک چیز دوسرے کی ملکیت ہے تو آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کی اجازت، بلکہ اس کی خوشدلی کے بغیر وہ چیز استعمال کریں یا اس کو قبضہ میں لیں، نہ تو سنجیدگی میں ایسا کرنا جائز ہے اور نہ ہی مزاق میں ایسا کرنا جائز ہے چاہے وہ دوسرا شخص تمہارا قریبی دوست اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس کی چیز کو اس کی اجازت اور اس کی خوش دلی کے بغیر استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں۔

خوش دلی کے بغیر دوسرے کی چیز حلال نہیں

ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه"(۲)

---

(۱) سنن الترمذی ۳۵/٤ (۲۱٦۰) وقال هذا حدیث حسن غریب۔ والادب المفرد للبخاری ۹۳ (۲٤۱) ومسند احمد ٤٦۰/۲۹ (۱۷۹٤۰)۔

(۲) مسند ابی یعلی ١٤٠/٣ (١٥٧٠) وقال الهيثمي في "المجمع" ٣٠٥/٤ (٦٨٦٦): رواه أبو يعلى، وأبو حرة وثقه أبو داود، وضعفه ابن معين.

کسی بھی مسلمان کا کوئی مال اس کی خوش دلی کے بغیر دوسرے کے لیے حلال نہیں۔

اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ خوش دلی کا لفظ استعمال فرمایا، مثلاً آپ نے کسی شخص سے ایسی چیز مانگ لی کہ اس کا دل تو نہیں چاہ رہا ہے، لیکن مروت کے دباؤ میں آکر اس نے وہ چیز دے دی اور اندر سے اس کا دل خوش نہیں ہے، اس صورت میں اگر آپ اس کی چیز استعمال کریں گے تو آپ کے لیے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ آپ نے اس کا مال اس کی خوشدلی کے بغیر لے لیا۔

مولویت بیچنے کی چیز نہیں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے کسی استاذ یا شیخ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ کسی دکان پر کوئی چیز خریدنے گئے اور انہوں نے اس چیز کی قیمت پوچھی، دکاندار نے قیمت بتادی، جس وقت قیمت ادا کرنے لگے تو اس وقت ایک اور صاحب وہاں پہنچ گئے جو ان کے جاننے والے تھے، وہ دکاندار ان کو نہیں جانتا تھا کہ یہ فلاں مولانا صاحب ہیں، چنانچہ ان صاحب نے دکاندار سے کہا کہ یہ فلاں مولانا صاحب ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ رعایت کریں، حضرت مولانا نے فرمایا کہ

"میں اپنے مولوی ہونے کے قیمت نہیں لینا چاہتا، اس چیز کی جو اصل قیمت ہے وہی مجھ سے لے لو اس لیے کہ پہلے جو قیمت تم نے بتائی تھی، اس قیمت پر تم خوشدلی سے یہ چیز دینے کے لیے تیار تھے، اب اگر دوسرے آدمی کے کہنے

سے تم نے رعایت کردی اور دل اندر سے مطمئن نہیں ہے تو
اس صورت میں وہ خوشدلی سے دینا نہیں ہوگا اور پھر میرے
لیے اس چیز میں برکت نہیں ہوگی اور اس کا لینا بھی میرے
لیے حلال نہیں ہوگا، لہٰذا جتنی قیمت تم نے لگائی ہے اتنی
قیمت لے لو۔"

اس واقعہ سے اس طرف اشارہ فرمایا دیا کہ "یہ مولویت بیچنے کی چیز نہیں" کہ بازار میں اس کو بیچا جائے کہ لوگ اس کی وجہ سے اشیاء کی قیمت کم کردیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت۔

بلکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جن کے ہم سب مقلد ہیں، اپنے شاگرد حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو یہ وصیت فرمائی کہ

"جب تم کوئی چیز خریدو یا کرایہ پر لو تو جتنا کرایہ اور جتنی
قیمت عام لوگ دیتے ہیں تم اس سے کچھ زیادہ دیدو، کہیں
ایسا نہ ہو کہ تمہارے کم دینے کی وجہ سے علم اور دین کی بے
عزتی اور بے توقیری ہو"۔ (۱)

جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے احتیاط کا یہ مقام عطا فرمایا ہے وہ اس حد تک رعایت فرماتے ہیں کہ دوسرے کی چیز کہیں اس کی خوش دلی کے بغیر ہمارے پاس نہ آجائے، مثلاً آپ نے کسی سے کوئی چیز مانگ لی تو مانگنے سے پہلے ذرا یہ

(۱) ماخوذ از الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص ۳۷۲ وصیۃ الامام الاعظم لابی یوسف۔ طبع دار الکتب العلمیۃ۔

سوچو کہ اگر تم سے کوئی دوسرا شخص یہ چیز مانگتا تو کیا تم خوش دلی سے اس کو دینے پر راضی ہو جاتے؟ اگر تم خوش دلی سے راضی نہ ہوتے تو پھر وہ چیز دوسرے سے بھی مت مانگو، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ مروت کے دباؤ میں آکر وہ شخص تمہیں وہ چیز دے دے، لیکن اس کا دل اندر سے راضی نہ ہو اور اس کے نتیجے میں تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق بن جاؤ کہ کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط کا ایک واقعہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عالی مقام تھا کہ آپ نے اس حد تک احتیاط فرمائی کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو محل جنت میں بنایا ہے، وہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور وہ محل اتنا شاندار تھا کہ میرا دل چاہا کہ میں اس محل کے اندر چلا جاؤں، لیکن جب میں نے اندر جانے کا ارادہ کیا تو مجھے تمہاری غیرت یاد آگئی، مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بڑی غیرت بخشی ہے، اگر کوئی دوسرا شخص تمہارے گھر کے اندر اجازت کے بغیر داخل ہو تو تمہیں غیرت آتی ہے، اس لیے میں نے یہ سوچا کہ تمہاری اجازت کے بغیر اس میں داخل نہیں ہونا چاہیے، لہٰذا میں داخل نہ ہوا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے اور فرمایا:

اَوَ عَلَيْكَ اَغَارُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا میں

آپ سے غیرت کروں گا؟۔[1]

امت کے لیے سبق

اب آپ اندازہ لگائیں کہ حضور اقدسِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسا انسان وہ اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت و آبرو، اپنا سب کچھ آپ پر قربان کرنے کے لیے تیار ہیں، ان کے پاس اگر کوئی بڑی سے بڑی نعمت ہو اور وہ نعمت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال میں آجائے تو وہ اس کو اپنے لیے باعث فخر سمجھیں گے، لیکن اس کے باوجود آپ ان کے محل میں داخل نہیں ہوئے، جب کہ وہ جگہ بھی جنت کی جگہ تھی جو تکلیف کی جگہ نہیں ہوتی، لیکن علماءِ کرام نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے درحقیقت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ دیکھو! میں بھی اپنے ایسے فدا کار اور جانثار صحابی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوا، تو تم لوگوں کے لیے عام حالات میں دوسروں کی چیز اس کی خوشدلی اور اجازت کے بغیر استعمال کرنا کیسے جائز ہوگا۔

سلام کے جواب کے لیے تیمم کرنا

اللہ تعالیٰ ہمارے محدثین عظام اور فقہاءِ کرام رحمہم اللہ کی قبروں کو نور سے بھر دے، آمین۔ یہ حضرات ہمارے لیے عجیب ذخیرہ چھوڑ گئے۔ چنانچہ ایک صحابی نے ایک حدیث بیان فرمائی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک راستے میں سے گزر رہے تھے، ایک صحابی نے آپ کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ یہ ابتداءِ اسلام کا زمانہ تھا اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا نام وضو کے بغیر لینا مکروہ تھا اور

---

(۱) صحیح البخاری،۱۱۷/٤(۳٤٤۲)۔

''سلام'' بھی اللہ کے اسماء حسنٰی میں سے ہے، اس وقت حضور اقدس ﷺ وضو سے نہیں تھے، اب اگر اس حالت میں ''وعلیکم السلام'' فرماتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام وضو کے بغیر لینا ہو جاتا، اس لیے آپ ﷺ نے وضو کے بغیر نام لینے سے بچنے کے لیے یہ کیا کہ قریب میں جو مکان تھا، اس کی دیوار سے تیمم فرمایا اور پھر آپ ﷺ نے ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہہ کر جواب دیا۔ (۱)

علماء کا احادیث سے مسائل کا نکالنا

ان صحابی نے یہ حدیث بیان فرمادی، لیکن فقہاء کرام کا معاملہ ایسا ہے کہ ایک ایک حدیث سے امت کے لیے کیا کیا ہدایت نکل رہی ہیں، ان کے نکالنے میں لگ جاتے ہیں۔ احادیث سے احکام نکالنے کا جب میں تصور کرتا ہوں تو میرے سامنے یہ منظر آجاتا ہے کہ جب کوئی ہوائی جہاز کسی ایئرپورٹ پر اترتا ہے تو جیسے ہی وہ اترتا ہے فوراً تمام لوگ اپنی اپنی ڈیوٹیاں انجام دینا شروع کردیتے ہیں، کوئی اس کی صفائی کر رہا ہے، کوئی اس میں پٹرول بھر رہا ہے، کوئی مسافروں کو اتار رہا ہے، کوئی کھانا چڑھا رہا ہے، سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح جب سرکارِ دوعالم ﷺ کی کوئی حدیث سامنے آتی ہے تو امت کے علماء بھی مختلف جہتوں سے اس حدیث پر کام کرنے میں لگ جاتے ہیں، کوئی اس حدیث کی سند کی چھان بین کر رہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے یا نہیں؟ کوئی راویوں کی جانچ پڑتال کرتا ہے، کوئی اس حدیث سے نکلنے والے احکام بتا رہا ہے کہ اس حدیث سے کیا کیا احکام نکل رہے ہیں، کیا کیا رہنمائی اس

(۱) صحیح البخاری ۷۵/۱ (۳۳۷) وصحیح مسلم ۲۸۱/۱ (۳۶۹)۔

سے حاصل ہو رہی ہے تو حضرات فقہاء کرام کا کام یہ ہے کہ جب کوئی حدیث ان کے سامنے آتی ہے تو اس حدیث کے ایک ایک جز کی بال کی کھال نکال کر احکام مستنبط فرماتے ہیں۔

بلبل والی حدیث سے ۱۱۰ مسائل کا استنباط

یاد آیا کہ شمائل ترمذی میں حدیث ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک چھوٹے بھائی تھے، جو بچے تھے، انہوں نے ایک بلبل پال رکھا تھا، وہ بلبل مرگیا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے پاس تشریف لے گئے تو اس بچے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

یا اباعمیر ما فعل النعیر؟ (۱)

اے ابوعمیر! تم نے وہ جو بلبل پال رکھا تھا، اس کا کیا ہوا؟

صرف اس ایک حدیث سے حضرات فقہاء کرام نے ایک سو دس (۱۱۰) سے زیادہ فقہی مسائل نکالے ہیں اور ایک محدث نے اس ایک حدیث کی تشریح اور اس سے نکلنے والے احکام پر مستقل کتاب لکھی ہے (۲)۔

---

(۱) صحیح البخاری ۳۰/۸ (٦١٢٩) و۴۵/۸ (٦٢٠٣) والشمائل المحمدیة للترمذی ص ۱۴۱ (٢٣٦) طبع دار احیاء التراث العربی بیروت۔

(۲) یہ کتاب علامہ ابن القاص شافعی کی ہے جس کا نام جزء فیہ فوائد حدیث ابی عمیر ہے جو مکتبہ السنہ۔ قاہرہ سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں مذکورہ حدیث سے تقریباً ٦٥ مسائل کا استنباط کیا گیا ہے اسی کا حوالہ حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" ۵۸۴/۱۰ میں بھی دیا ہے۔ اور علامہ ابن غازی نے "إرشاد اللبیب إلی مقاصد حدیث الحبیب" ص ۲۰۷ پر اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث نے تین سو مسائل مستنبط کئے ہیں۔ طبع وزارۃ الاوقاف المملکۃ المغربیۃ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ عنایت۔

سلام کے جواب کے لیے تیمم کرنا جائز ہے

بہر حال! ان صحابی کے سلام کے جواب کے لیے آپ نے پہلے تیمم فرمایا پھر سلام کا جواب دیا۔ اس حدیث سے بھی فقہاء کرام نے بہت سے مسائل نکالے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث سے فقہاء نے ایک مسئلہ یہ نکالا ہے کہ جس کام کے لیے وضو کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے تو اس کام کے لیے وضو کے بجائے تیمم کرنا جائز ہے۔ مثلاً دعا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے وضو کو ضروری اور واجب قرار نہیں دیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دروازہ کھٹکھٹانے اور دعا کرنے کو آسان کر دیا کہ اس کے لیے وضو کی شرط نہیں رکھی، لہٰذا اگر کوئی شخص جنابت اور ناپاکی کی حالت میں بھی دعا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ آدمی دعا کرتے وقت باوضو ہو اور اگر وضو کا موقع نہ ہو تو تیمم کر لے، کیونکہ تیمم کر کے دعا کرنا بے وضو دعا کرنے سے بہتر ہے۔ اگرچہ اس تیمم سے نماز پڑھنا اور ایسے کام کرنا جائز نہیں ہوگا جن کے لیے وضو کرنا واجب ہے، لیکن اس تیمم سے دعا کر سکتا ہے۔

ذکر کرنے کے لیے تیمم کرنا

مثلاً کوئی شخص ذکر کرنا چاہتا ہے یا تسبیح پڑھنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنا نام لینا اتنا آسان فرما دیا ہے کہ اس کے لیے وضو کی شرط نہیں، البتہ باوضو ہو کر ذکر کرنا مستحب ہے، لہٰذا اگر وضو کرنے کا موقع نہیں ہے اور ذکر کرنا چاہتا ہے تو کم از کم تیمم کر کے ذکر کر لے، کیونکہ تیمم کر کے ذکر کرنا بے وضو ذکر کرنے سے بہتر ہے۔ البتہ اس تیمم سے کسی قسم کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔

دوسرے کی دیوار سے تیمم کرنا

فقہاءِ کرام نے اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ نکالا ہے کہ حضورا قدس سرورِ دو عالم ﷺ نے دیوار سے تیمم فرمایا اور وہ کسی دوسرے شخص کے گھر کی دیوار تھی، تو اب سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دوسرے شخص کے گھر کی دیوار کو اس کی اجازت کے بغیر تیمم کے لیے کیسے استعمال فرمایا؟ اس لیے کہ دوسرے کی چیز اس کی اجازت اور اس کی خوشدلی کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ فقہاءِ کرام نے یہ سوال اٹھایا، وہ بھی جناب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اٹھایا کہ آپ نے وہ دیوار کس طرح استعمال فرمائی۔

پھر فقہاءِ کرام نے اس کا جواب بھی خود دیا، کہ بات دراصل یہ تھی کہ مکان کے باہر کی دیوار سے تیمم کرنے کی صورت میں یہ بات سو فیصد یقینی تھی کہ کوئی بھی آپ کو اس عمل سے منع نہ کرتا، اس لیے آپ کے لیے اس دیوار سے تیمم کرنا جائز تھا، لہٰذا جہاں اس بات کا سو فیصد مکمل یقین ہو کہ دوسرا شخص نہ صرف یہ کہ اس کو استعمال کرنے کی اجازت دے گا، بلکہ وہ خوش ہوگا تو اس صورت میں اس چیز کا استعمال کر لینا جائز ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ فقہاء کرام نے کتنی باریک بات کو پکڑ لیا۔

کسی قوم کی کوڑی کو استعمال کرنا

فقہاءِ کرام نے یہی سوال ایک اور حدیث پر بھی اٹھایا ہے، وہ حدیث شریف یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کہیں تشریف لے جارہے تھے، آپ کو پیشاب کرنے کی حاجت ہوئی، ایک جگہ پر کسی قوم کی ''کوڑی'' تھی جہاں لوگ

اپنا کچرا ڈالتے تھے، اس کوڑی پر آپ نے پیشاب کیا[1]۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "اتی سباطة قوم" یعنی کسی قوم کے کوڑا ڈالنے کی جگہ پر آپ پہنچے، اب فقہاء نے اس پر سوال اٹھایا ہے کہ وہ کوڑا ڈالنے کی جگہ کسی قوم کی ملکیت تھی تو آپ نے اس کو ان کی اجازت کے بغیر کیسے استعمال فرمالیا؟ پھر خود ہی فقہاء نے اس کا جواب بھی دیا کہ دراصل وہ عام استعمال کی جگہ تھی اور اسی مقصد کے لیے وہ جگہ چھوڑی گئی تھی، لہٰذا کسی شخص کی ملکیت میں کوئی خلل ڈالنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

میزبان کے گھر کی چیز استعمال کرنا

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ شریعت میں کسی دوسرے شخص کی چیز کو استعمال کرنے کے بارے میں کتنی حساسیت پائی جاتی ہے، مثلاً ہم دوسرے شخص کے گھر مہمان بن کر گئے اب اگر اس کے گھر کی کوئی چیز آپ کو استعمال کرنی ہے تو استعمال کرنے سے پہلے ذرا یہ سوچو کہ میرے لیے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ سوچو کہ میرے استعمال کرنے سے میزبان خوش ہوگا یا اس کے دل میں تنگی پیدا ہوگی؟ اگر اس کے دل میں تنگی پیدا ہونے کا ذرا بھی اندیشہ ہو تو اس صورت میں اس چیز کو آپ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔

ہمارے معاشرے میں اس بارے میں بہت بے احتیاطی پائی جاتی ہے، چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ دوست کے گھر میں چلے گئے اور سوچا کہ یہ تو ہمارا بے تکلف دوست ہے، اب دوستی اور بے تکلفی کی مد میں اس کو لوٹنا شروع کر دیا اور اس کی

---

(۱) صحیح البخاری ۱/۵۵(۲۲۵)۔

چیزوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا یہ جائز نہیں۔ کیونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرما دیا کہ مذاق میں بھی دوسرے کی چیز اٹھا کر استعمال کرنا جائز نہیں، تو پھر سنجیدگی میں کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم بے تکلفی کی آڑ میں کہاں کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

بیٹے کے کمرے میں داخل ہونے کے لیے اجازت

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ساری عمر یہ معمول ہم نے دیکھا کہ جب کبھی آپ کسی کام سے اپنی اولاد کے کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو داخل ہونے سے پہلے اجازت لیتے، حالانکہ وہ کمرہ ہماری ملکیت نہیں ہوتا تھا، انہی کی ملکیت ہوتا تھا، اس کے باوجود پہلے اجازت لیتے کہ اندر آجائیں اور اگر کبھی حضرت والد صاحب کو وہ چیز استعمال کرنے کی ضرورت پیش آتی جو ہمارے استعمال میں ہے، تو ہمیشہ پہلے پوچھ لیتے کہ یہ تمہاری چیز میں استعمال کرلوں؟ اب آپ اندازہ لگائیں کہ ایک باپ اپنے بیٹے سے پوچھ رہا ہے کہ میں تمہاری چیز استعمال کرلوں؟ حالانکہ حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انت ومالك لابيك"(۱)

(۱) سنن ابی داود ۲۸۹/۳ (۳۵۳۰) وشرح معانی الآثار للطحاوی ۴۵۱/۳ (۶۰۱۳) طبع دار الکتب العلمیة. وقال العینی فی "نخب الافکار" ۵۰۹/۱۴ اسناده صحیح. طبع وزارة الاوقاف. قطر.

یعنی تم خود اور تمہارا مال سب تمہارے باپ کا ہے۔

لیکن اس کے باوجود اس درجہ احتیاط تھی کہ بیٹے سے پوچھ کر اس کی چیز استعمال فرمارہے ہیں، تو جب اپنی اولاد کی چیز استعمال کرنے میں یہ احتیاط ہونی چاہیے تو جن کے ساتھ یہ رشتہ نہیں ہے ان کی چیزوں کو ان کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا کتنی سنگین بات ہے۔

اطلاع کے بغیر دوسرے کے گھر جانا

یہ تمام چیزیں ہم نے اپنے دین سے خارج کردی ہیں، بس آج کل تو عبادت کا اور نماز روزے کا نام دین سمجھ لیا ہے اور اس سے آگے جو معاملات ہیں ان کو ہم نے دین سے خارج کردیا ہے، مثلاً کسی دوسرے کے گھر میں اطلاع کے بغیر کھانے کے وقت پہنچ جانا دین کے خلاف ہے، جیسے آج کل ہوتا ہے کہ پیر صاحب اپنے مریدوں کا لشکر لے کر کسی مرید پر حملہ آور ہوگئے اور پیر صاحب کے ذہن میں یہ ہے کہ یہ تو ہمارا مرید ہے، لہٰذا اس کو تو ہر حال میں ہماری خاطر تواضع کرنی ہے، یہ میں آپ کو آنکھوں دیکھا واقعہ بتارہا ہوں، اب وہ مرید بے چارہ پریشان کہ عین وقت پر میں کیا انتظام کروں؟ اب دیکھیے! نمازیں بھی ہورہی ہیں، تہجد، اشراق، چاشت، ذکر و اذکار، سب عبادات ہورہی ہیں اور پیر صاحب بنے ہوئے ہیں، لیکن بغیر اطلاع کے مرید کے گھر پہنچ گئے۔ یاد رکھیے! یہ اس حدیث کے اندر داخل ہے جس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه"(۱)

---

(۱) مسند ابی یعلی ۳/۱٤۰(۱۵۷۰)۔

لیکن پیر صاحب کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس سے مرید کو تکلیف ہورہی ہے یا پریشانی ہورہی ہے یا اس کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حاصل کیا جارہا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں یہ باتیں پھیل گئی ہیں اور اس کو دین کا حصہ ہی نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے اور ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنے کا ذوق عطا فرمائے کہ جس چیز کا جو مقام ہے اسی کے مطابق اس پر عمل ہو۔

خوش دلی کے بغیر چندہ لینا

اسی طرح آج کل چندہ کا مسئلہ ہے، یہ چندہ خواہ کسی بھی نیک مقصد کے لیے ہو، چاہے مدرسے کے لیے ہو، چاہے مسجد کے لیے ہو یا جہاد کے لیے ہو یا تبلیغ کے لیے ہو، لیکن اگر چندہ کرتے وقت کسی موقع پر ذرا سا بھی دباؤ کا عنصر آجائے گا تو وہ چندہ حرام ہو جائے گا۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر مستقل رسالہ ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ آج کل جو چندہ کا طریقہ ہے کہ بڑی شخصیات اپنی شخصیت کا دباؤ ڈال کر چندہ وصول کرتے ہیں، کیونکہ اگر مدرسے کے کسی معمولی سفیر کو چندہ کے لیے بھیجا جائے گا تو چندہ کم وصول ہوگا، لہٰذا کسی بڑے اور صاحب حیثیت کو چندہ کے لیے بھیجا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس وہ صاحب حیثیت چندہ کے لیے پہنچے گا تو وہ یہ سوچے گا کہ اتنا بڑا آدمی میرے پاس آیا ہے تو اب تھوڑے پیسے کیا دوں، چنانچہ وہ زیادہ پیسے دے گا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ درحقیقت شخصیت کا دباؤ ڈالنا ہے اور شخصیت کا دباؤ ڈال کر جو چندہ وصول کیا جائے گا وہ خوش دلی کا چندہ نہیں ہوگا اور جب وہ چندہ خوش دلی کا نہیں ہے تو وہ حرام ہے اور اس حدیث کے تحت داخل ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه"

عام مجمع میں چندہ کرنا

اسی طرح عام مجمع کے اندر چندہ کا اعلان کرکے وہیں چندہ جمع کیا جارہا ہے۔ اب جو صاحب حیثیت اس مجمع کے اندر بیٹھا ہے وہ سوچ رہا ہے کہ سب لوگ تو چندہ دے رہے ہیں اگر میں چندہ نہیں دوں گا تو میری ناک کٹ جائے گی اور اگر تھوڑا چندہ دوں گا تو بھی بے عزتی ہو جائے گی، لہٰذا مجھے زیادہ دینا چاہیے۔ اب اس دباؤ میں آکر اس نے زیادہ چندہ دیدیا یاد رکھیے! اس دباؤ میں آکر جو چندہ دے گا وہ خوش دلی کا چندہ نہیں ہے اور اس حدیث کے تحت داخل ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه"

اسی لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے متعلقین کے لیے عام معمول یہ تھا کہ عام مجمع میں چندہ جمع کرنے کی اجازت نہیں تھی، اس لیے کہ اس میں لوگ شرما حضوری میں اور مروت میں آکر چندہ دیدیتے ہیں، جو جائز اور حلال نہیں۔

غزوہ تبوک کے واقعہ سے استدلال کا جواب

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات میں نے ایک مرتبہ بیان کی تو ایک صاحب نے کہا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غزوہ تبوک (۱) کے موقع پر مجمع میں چندہ

(۱) سنن الترمذی ۵۲/۶ (۳۶۷۵) وقال هذا حدیث حسن صحیح، و ۶۹/۶ (۳۷۰۰) وقال هذا حدیث غریب من هذا الوجه لا نعرفه إلا من حدیث السکن بن المغیرة.

کیا تھا، جب غزوۂ تبوک میں ضرورت پیش آئی تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ اس وقت جہاد کے لیے سامان کی شدید ضرورت ہے جو شخص بھی اس میں خرچ کرے گا، اس کو یہ ثواب ملے گا، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ اعلان سن کر گھر کا سارا مال لے کر آ گئے تھے اس سے معلوم ہوا کہ حضورِ اقدس سرورِ دو عالم ﷺ نے بھی مجمع میں چندہ کے اعلان فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اسی وقت اور اسی جگہ پر چندہ کرو، بلکہ آپ ﷺ نے اعلان فرما دیا تھا کہ اتنی ضرورت ہے جو شخص بھی اپنی سہولت کے مطابق جس وقت جتنا چاہے لا کر دے دے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بعد میں اشیاء لا لا کر جمع کراتے رہے یہ اعلان نہیں تھا کہ ابھی اور یہیں جمع کرو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات کو ہم اپنے حالات پر کہاں قیاس کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اخلاق ایسے مصفی، مزکی اور مجلی فرما دیے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو محض دکھاوے کی خاطر چندہ دے اللہ کے لیے چندہ دینا ہوتا تو دیتے، نہ دینا ہوتا تو نہ دیتے۔ ہمارے معاشرے کے لوگ دباؤ میں آجاتے ہیں اور اس دباؤ کے نتیجے میں شرما شرمی میں دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، لہٰذا آج کل کے حالات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام مجمع میں اس طرح چندہ کرنا جس طرح عام دستور ہے یہ جائز نہیں، کیونکہ ایسے چندے میں خوش دلی کا عنصر مفقود ہوتا ہے۔

چندہ کرنے کا صحیح طریقہ

چندہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو متوجہ کر دیں کہ یہ ایک ضرورت ہے اور دین کا صحیح مصرف ہے اور اس میں دینے میں ثواب ہے، لہٰذا جو چاہے اپنی خوشی کے ساتھ جب چاہے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اور ثواب کے حصول کے لیے چندہ دے دے۔ یہ تمام احکام اسی حدیث سے نکل رہے ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کا مال اور دوسرے کا سامان نہ تو سنجیدگی میں لے اور نہ مذاق میں لے۔

عاریت کی چیز جلدی واپس نہ کرنا

پھر حدیث میں ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ

"فاذا اخذ احدکم عصی صاحبه فلیردھا الیه"(۱)

"یعنی اگر تم نے کسی وقت دوسرے کی لاٹھی بھی لے لی ہے تو اس کو واپس کر دے۔"

مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے کوئی چیز عاریۃً استعمال کے لیے لے لی ہے اور اس نے خوش دلی سے تمہیں دیدی ہے، خوش دلی سے اس نے وہ چیز دے کر کوئی جرم نہیں کیا، لہٰذا جب تمہاری وہ ضرورت پوری ہو جائے جس ضرورت کے لیے تم نے وہ چیز لی تھی تو پھر اس چیز کو جلد از جلد واپس لوٹاؤ۔ اس بارے میں بھی ہمارے یہاں کوتاہیاں اور غفلتیں ہوتی ہیں، ایک چیز کسی ضرورت کی وجہ سے کسی

---

(۱) سنن الترمذی ۳۵/٤ (۲۱٦۰) وقال ہذا حدیث حسن غریب۔ والادب المفرد للبخاری ۹۳ (۲٤۱) ومسند احمد ۲۹/٤٦۰ (۱۷۹٤۰)۔

سے لے لی تھی، اب وہ گھر میں پڑی ہے واپس کرنے کی فکر نہیں، ارے بھائی! جب تمہاری ضرورت پوری ہوگئی تو اب واپس کردو اب جس شخص کی وہ چیز ہے ہوسکتا ہے کہ اس کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو، لیکن وہ مانگتے ہوئے شرماتا ہو کہ اس کے پاس جاکر وہ چیز کیا مانگوں، اب اگر تم اس چیز کو استعمال کروگے تو تم اس کی خوشدلی کے بغیر استعمال کروگے، لہٰذا یہ استعمال کرنا تمہارے لیے حرام ہے۔

کتاب لے کر واپس نہ کرنا

اسی طرح ہمارے معاشرے میں یہ مسئلہ باقاعدہ گھڑ لیا گیا ہے کہ کتاب کی چوری، یہ کوئی چوری نہیں ہوتی، یعنی اگر کسی دوسرے سے کتاب پڑھنے کے لیے لے لی تو اب اس کتاب کو واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لہٰذا مطالعے کے بعد کتاب گھر میں پڑی ہے، اس کی واپسی کی کوئی فکر نہیں ہوتی، جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جب تم نے دوسرے کی کوئی چیز لی ہو تو اس کو واپس کرنے کی فکر کرو اور جلد از جلد اس کو اصل مالک تک واپس پہنچاؤ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک

(اصلاحی خطبات ۱۶/ ۱۴۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک

ایمان کی علامت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فقد قال رسول اللہ ﷺ:

وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُسْلِمًا[1]

(۱) سنن الترمذی ۱۴۰/۴ (۲۳۰۵) وقال: هذا حديث غريب۔ وسنن ابن ماجه ۶۲۰/۵ (۴۲۱۷) وقال البوصيری فی "مصباح الزجاجة" ۲۴۰/۴: هذا إسناد حسن۔ (طبع دار العربية)

تمہید

گزشتہ چار دن سے ایک حدیث کا بیان چل رہا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پانچ نصیحتیں فرمائیں اور ساتھ میں یہ ہدایت فرمائی کہ یہ باتیں خود بھی یاد رکھنا اور ان کو دوسروں تک بھی پہنچانا، خود بھی عمل کرنا اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا۔ یہ پانچ نصیحتیں پانچ جملوں پر مشتمل ہیں:

پہلا جملہ یہ تھا کہ

"اتق المحارم تکن اعبد الناس"

یعنی حرام چیزوں سے، ناجائز چیزوں سے اور گناہوں سے بچو، تو تم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔

دوسرا جملہ یہ تھا کہ

"وارض بما قسم الله لك تكن اغنى الناس"

یعنی اللہ جل شانہ نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس پر راضی ہو جاؤ، تو تم تمام انسانوں میں سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے، ان دونوں جملوں کا بیان گزشتہ تین دنوں میں ہو گیا۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک

تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ

"واحسن الى جارك تكن مسلمًا"

یعنی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو تو تم مسلمان بن جاؤ گے۔
اس جملے کے ذریعے حضورِ اقدس ﷺ نے بتادیا کہ گویا کہ مسلمان کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اور اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کا دعویدار تو ہو، لیکن اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک نہ کرے تو حقیقت میں وہ مسلمان نہیں، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، تو مسلمان بن جاؤ گے، اس جملے میں اس قدر وزنی الفاظ میں نبی کریم ﷺ نے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی اور قرآن و حدیث پڑوسی کے حقوق اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید سے بھرے ہوئے ہیں۔

جبرئیل علیہ السلام کا مسلسل تاکید کرنا

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام آکر مجھے مسلسل پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں تاکید کرتے رہے، کرتے رہے، کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ شاید کوئی حکم ایسا آنے والا ہے کہ پڑوسی بھی وارثوں میں شمار ہو جائے گا[1]، یعنی جس طرح کسی کے مرنے پر اس کی میراث عزیز و اقارب اور رشتہ داروں میں تقسیم ہوتی ہے، شاید کوئی حکم ایسا آنے والا ہے کہ اب پڑوسی کو بھی میراث میں سے حصہ دیا جائے گا۔

(۱) صحیح البخاری ۱۰/۸ (۶۰۱٤) و صحیح مسلم ٤/۲۰۲۵ (۲٦۲٤)۔

پڑوسیوں کی تین قسمیں

قرآنِ کریم(۱) نے پڑوسیوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں ایک "الجار ذی القربی" دوسرے "الجار الجنب" تیسرے "الصاحب بالجنب" اور تینوں کے حقوق ادا کرنے اور تینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید فرمائی۔ پہلی قسم ہے "الجار ذی القربی" یعنی وہ پڑوسی جس کے گھر کی دیوار آپ کے گھر کی دیوار سے ملی ہوئی ہو، دوسری قسم "الجار الجنب" یعنی وہ پڑوسی جس کی دیوار تو نہیں ملی ہوئی ہے، تھوڑا سا فاصلہ ہے، لیکن وہ بھی بالکل قریب ہے، دونوں الفاظ علیحدہ لاکر قرآنِ کریم نے یہ بتادیا کہ یہ مت سمجھنا کہ بس تمہارا پڑوسی وہی ہے جس کی دیوار سے دیوار ملی ہوئی ہے، بلکہ اگر تھوڑا فاصلہ ہو، لیکن تقریباً ایک ہی جگہ پر رہنے والے ہیں، صرف راستے اور دیواریں الگ ہیں تو وہ بھی تمہارا پڑوسی ہے، اس کا بھی خیال رکھو۔

تھوڑی دیر کا ساتھی

پڑوسی کی تیسری قسم یہ بیان فرمائی کہ "الصاحب بالجنب" میں اس کا ترجمہ یہ کرتا ہوں کہ "تھوڑی دیر کا ساتھی" اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کسی سواری میں مثلاً بس میں سفر کررہے ہیں، اب برابر والی سیٹ پر کوئی آدمی آکر بیٹھ گیا، وہ صاحب بالجنب کہلائے گا یا آپ ریل گاڑی میں یا ہوائی جہاز میں سفر کررہے ہیں برابر والی سیٹ پر دوسرا آدمی بیٹھا ہے وہ صاحب بالجنب ہے، حالانکہ وہ شخص اجنبی ہے اس سے پہلے کبھی اس کو نہیں دیکھا، نہ اس سے ملاقات

(۱) سورۃ النساء آیت (۳۶)۔

ہوئی اور نہ آئندہ ملاقات ہونے کی امید ہے؟ لیکن چونکہ وہ تھوڑی دیر کے لیے ہمارے ساتھ ہوگیا ہے، قرآنِ کریم نے فرمایا کہ اس کا بھی حق ہے، اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو یا آپ کہیں لائن میں لگے ہوئے ہیں اس قطار میں آپ سے آگے ایک آدمی کھڑا ہے آپ کے پیچھے ایک آدمی کھڑا ہے، یہ دونوں آپ کے صاحب بالجنب ہیں، اس کے بھی حقوق ہیں، اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم ہے۔

اللہ کو وہ بندہ بڑا پسند ہے

قرآنِ کریم نے پڑوسیوں کی یہ تینوں قسمیں الگ الگ کر کے اس لیے بیان فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ بڑا پسند ہے جو اپنے ساتھ رہنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہو۔ اتنی بات تو ہر مسلمان جانتا اور مانتا ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے، لیکن عملاً چند غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں جن کو دور کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ عمل کے وقت نفس و شیطان انسان کو مختلف تاویلیں سمجھا دیتا ہے اور ساتھ میں دل میں کچھ غلط فہمیاں پیدا کر دیتا ہے، جس کے نتیجے میں اس حکم پر عمل کرنے سے محرومی ہو جاتی ہے۔

یہ نئی تہذیب ہے

جب تک مکانات تسلسل کے ساتھ ہوا کرتے تھے اس وقت لوگ اپنے پڑوسیوں کا لحاظ رکھتے تھے، اس کے ساتھ تعلقات ہوتے تھے، بعض اوقات خون کے رشتوں سے زیادہ قوی تعلق پڑوسیوں کے ساتھ ہو جاتا تھا، لیکن جب سے یہ کوٹھی، بنگلے بننے شروع ہوئے تو اس کے نتیجے میں یہ ہو رہا ہے کہ بسا اوقات

رہتے سالہا سال گزر جاتے ہیں، لیکن یہ پتہ نہیں ہوتا کہ پڑوس میں کون رہ رہا ہے، اس نئی تہذیب نے پڑوسی ہونے کا مسئلہ ہی ختم کردیا۔ ہم لوگ برنس روڈ پر ایک فلیٹ میں رہا کرتے تھے اور جس دن اس فلیٹ میں جاکر آباد ہوئے تو آس پاس کے لوگ ملنے کے لیے آگئے اور آپس میں ایسے تعلقات ہوگئے جیسے عزیزوں اور رشتہ داروں کے درمیان ہوتے ہیں، وہاں پانچ سال رہنے کے بعد لسبیلہ ہاؤس میں منتقل ہوئے تو وہاں پر ایک پلاٹ پر والد صاحب نے مکان بنوایا تھا، اس مکان کی چار دیواری تھی اور چاروں طرف کوٹھی اور بنگلے تھے، اب ہفتوں گزر گئے، لیکن یہ پتہ نہیں چلا کہ داہنی طرف کے مکان میں کون رہتا ہے، بائیں طرف کے مکان میں کون رہتا ہے، آگے کون ہے، پیچھے کون ہے، نہ کسی سے ملاقات ہے تو ایک دن والد صاحب نے یہ اہتمام کرکے برابر والوں کے پاس جاکر ملاقات کی تاکہ تعلقات قائم ہوجائیں، پھر فرمایا کہ دیکھو! جب ہم فلیٹ میں رہنے گئے تھے تو سارے محلے کے لوگ ملاقات کے لیے جمع ہوگئے اور انہوں نے ہمارا استقبال کیا اور تعلق اور محبت کا اظہار کیا اور یہاں یہ صورت حال ہے علاقوں کے درمیان یہ فرق ہے، بہر حال! کوٹھی بنگلوں میں یہی ہوتا ہے کہ سالہا سال رہنے کے باوجود پتہ نہیں چلتا ہے کہ ہمارے پڑوس میں کون رہتا ہے۔

آگ لگنے کا واقعہ

میں ایک مرتبہ اسلام آباد میں ایک ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا تھا، وہ ایک بنگلہ تھا، رات کے ۳ بجے اس میں آگ لگ گئی اور اللہ تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا اور ہم لوگوں کی جان بچالی، فائر بریگیڈ والے آئے اور انہوں نے آگ بجھائی،

لیکن میں نے دیکھا کہ صبح ۸، ۹ بجے تک کاروائی ہوتی رہی، لیکن برابر کے بنگلے والوں کو کوئی خبر نہیں تھی، کسی کو کوئی توفیق نہیں ہوئی کہ یہاں ہمارے پڑوس میں آگ لگ گئی تھی تو پتہ کریں کہ ان کا کیا حال ہے، کوئی مرا، کوئی زخمی ہوا؟ ان کو آنے کی فرصت ہی نہیں تھی، کیوں کہ جو مصیبت آئی وہ دوسروں پر آئی، ہمارے اوپر نہیں آئی، آج ہمارے معاشرے میں یہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے کہ پڑوس کے ساتھ تعلقات اور حسن سلوک کی فضیلت جو قرآن و حدیث میں بیان فرمائی تھی وہ ختم ہو چکی، اب تو نفسانفسی کا عالم ہے، بس میں ہوں، میرا گھر ہے، میرا مکان ہے میری فیملی ہے اور بس، آگے کسی اور کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

جھونپڑی والا بھی پڑوسی ہے

دوسرے اگر کسی کو پڑوسی کے حقوق اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا کچھ خیال بھی ہے تو پڑوسی اس کو سمجھا جاتا ہے جو مالی اعتبار سے میرا ہم پلہ ہو، اگر میرے برابر میں کوئی جھونپڑی ہے اور اس میں کوئی شخص رہتا ہے تو وہ پڑوسی نہیں، پڑوسی وہ ہے کہ اگر میرا بنگلہ ہے تو اس کا بھی بنگلہ ہو، اگر وہ جھونپڑی والا ہے تو اس کو پڑوسی کے حقوق دینے کو تیار نہیں، اس کے بارے میں تو خیال ہی نہیں آتا کہ یہ میرا پڑوسی ہے، کیا اس وجہ سے وہ تمہارا پڑوسی نہیں کہ وہ بیچارہ غریب ہے؟ اس کا بنگلہ نہیں، بلکہ اس کی جھونپڑی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ جب تم آپس میں پڑوسیوں کا اجتماع کروگے اور دعوت کروگے تو صرف بنگلے والوں کی دعوت کروگے۔ جھونپڑی والوں کو دعوت میں شامل نہیں کروگے، لہٰذا دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ پڑوسی وہ ہے جو مال کے اعتبار سے، منصب

کے اعتبار سے، عہدہ کے اعتبار سے، معاشی اعتبار سے میرا ہم پلہ ہو، ورنہ وہ پڑوسی نہیں۔ حالانکہ حقیقت میں پڑوسی وہ ہے جو تمہارے گھر کے پاس رہتا ہو، اگر وہ تمہارے گھر کی دیوار کے ساتھ رہتا ہے تو پہلی قسم کا پڑوسی ہے اور اگر تھوڑے فاصلے پر رہتا ہے تو دوسری قسم کا پڑوسی ہے، دونوں میں سے ایک میں ضرور داخل ہے، اگرچہ وہ جھونپڑی میں رہتا ہے، بلکہ جھونپڑی والے پڑوسی کے حقوق زیادہ ہیں اس لیے کہ اگر کسی دن اس کے گھر میں کھانے کو نہ ہو تو اس کا پڑوسی گناہ گار ہوگا، بلکہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ مسلمان نہیں جس کے پڑوس میں کوئی آدمی بھوکا سو جائے[(1)]۔

مفتیٔ اعظم ہند کا واقعہ

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات کئی بار سنی کہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کے فتاویٰ کی دس جلدیں ''فتاوی دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے چھپ چکی ہیں، دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم فتوی میں میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔ ان کے گھر کے قریب تین چار بیوہ خواتین رہا کرتی تھی، ان کا معمول یہ تھا کہ جب دارالعلوم جانے کے لیے اپنے گھر سے نکلتے تو پہلے ان تمام بیوہ خواتین کے گھر جاتے اور ان سے پوچھتے کہ بی بی! تمہیں بازار سے کچھ سودا منگوانا ہو تو بتا دو، میں لا دیتا ہوں، اب کوئی خاتون کہتیں کہ اتنا ہرا دھنیا، اتنا پودینہ، اتنی سبزی اور اتنے ٹماٹر لے آنا، تمام خواتین سے سودا پوچھتے،

---

(۱) الادب المفرد للبخاری ۵۲ (۱۱۲) والمستدرك للحاکم ۱۵/۲ (۲۱٦٦) و۱۸٤/٤ (۷۳۰۷) وقال هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه، ووافقه الذهبی فی "التلخیص".

پھر بازار جاتے، بازار سے سودا خریدتے، ہر بیوہ کے گھر وہ سودا پہنچاتے، پھر دار العلوم تشریف لے جاتے، بعض اوقات یہ بھی ہوتا کہ کوئی خاتون یہ کہتی کہ مولوی جی! تم غلط سودا لے آئے، میں نے تو فلاں چیز منگوائی تھی، آپ فلاں چیز لے آئے یا میں نے تو اتنی مقدار میں منگوائی تھی آپ اتنی لے آئے، فرماتے: اچھا بی بی، کوئی بات نہیں میں واپس بازار چلا جاتا ہوں اور ابھی بدلوا کر لے آتا ہوں، چنانچہ دوبارہ بازار جاتے، وہ چیز بدلواتے، پھر لا کر اس بیوہ کے حوالے کرتے، پھر دار العلوم تشریف لے جاتے، روزانہ کا یہ معمول تھا ان کا سب سے پہلا کام اپنے پڑوسیوں کی خبر گیری کرنا تھا۔

یہ کیسے لوگ تھے؟

وہ شخص جس کا نام کا ڈنکا بج رہا ہے وہ شخص جس کے فتاویٰ کو اتھارٹی تسلیم کر لیا گیا ہے، دنیا بھر سے لوگ اس کے پاس سوالات کرنے آرہے ہیں، نہ جانے کتنے لوگ ان کے ہاتھ پاؤں چومنے والے موجود ہیں، لیکن ان کا یہ حال ہے کہ فتویٰ کا کام شروع کرنے سے پہلے بیوہ خواتین کی خبر گیری کر رہے ہیں یہ لوگ ویسے ہی بڑے نہیں بن گئے، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے ذریعے صحابہ کرام کے دور کی یادیں تازہ کر دیں اور واقعہ بھی یہی ہے، جن علماء دیوبند کے ہم نام لیوا ہیں، یہ محض اس وجہ سے نہیں کہ بس ان سے عقیدت ہوگئی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا ایک ایک فرد سنت نبوی کا جیتا جاگتا پیکر تھا اور یہ صرف نماز روزے میں نہیں بلکہ زندگی کے ایک ایک شعبے میں سنت نبوی پر عامل تھا۔

ساری زندگی کچے مکان میں گزاردی

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے استاد میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث تھے، ساتھ میں کتابوں کی تجارت بھی کرتے تھے، مالی اعتبار سے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق تھا، خوشحال تھے، لیکن مکان کچا تھا، جب بارش ہوتی تو ہر بارش کے موقع پر یہ ہوتا کہ کبھی اس مکان کی چھت ٹوٹ جاتی کبھی اس کی دیوار کمزور ہو جاتیں، کبھی برآمدہ گر جاتا اور جب برسات کا موسم ختم ہوتا تو دوبارہ اس کی مرمت کرواتے۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! ہر سال برسات میں مکان میں ٹوٹ پھوٹ ہو جاتی ہے، آپ مشقت اور تکلیف اٹھاتے ہیں، پھر دوبارہ مرمت کروانی پڑتی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت دے رکھی ہے، آپ ایک مرتبہ اپنے مکان کو پکا کروالیں، تو یہ بار بار کی تکلیف سے نجات مل جائے گی، چونکہ طبیعت میں ظرافت بھی تھی اس لیے جواب میں فرمایا: واہ مولوی شفیع صاحب! آپ نے کیا بہترین مشورہ دیا ہے، ہم تو بڈھے ہو گئے ساری عمر گزر گئی اور اتنی بات ہماری عقل میں نہیں آئی، واہ، سبحان اللہ! کیا عقلمندی کی بات کہی، ماشاء اللہ! اتنی بار انہوں نے یہ جملے دھرائے کہ میں شرم سے پانی پانی ہو گیا اور بہت شرمندہ ہوا، والد صاحب نے کہا کہ حضرت! میرے سوال کرنے کا مقصد آپ سے یہ پوچھنا تھا کہ مکان پکا نہ بنانے میں کیا حکمت ہے؟ جب بہت زیادہ اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا میرے ساتھ آؤ، میرا ہاتھ پکڑا اور گھر کے دروازے پر لے گئے اور پوچھا کہ یہ گلی جو تمہیں یہاں سے نظر آرہی ہے، اس میں تمہیں کوئی پکا مکان نظر آرہا ہے؟ کسی کا مکان پکا نہیں، اب ساری گلی کے تمام

پڑوسیوں کے مکان تو کچے ہوں اور میرا مکان پکا ہو تو پکا مکان بنا کر میاں صاحب کیا اچھا لگے گا؟ اور میرے اندر اتنی استطاعت نہیں کہ ساری گلی والوں کے مکان پکے کرادوں، لہٰذا جیسے میرے پڑوسی ہیں، میں بھی ویسا ہی سہی۔

اس طرح ساری زندگی کچے مکان میں گزار دی، صرف اس لیے کہ پڑوسیوں کے دل میں یہ حسرت نہ ہو کہ میاں صاحب کا مکان پکا ہے اور ہمارا مکان کچا ہے، حالانکہ مکان پکا بنا لینا کوئی گناہ نہیں تھا، نہ شریعت نے منع کیا تھا، نہ حرام قرار دیا تھا؟ لیکن پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا ایک تقاضا یہ بھی تھا کہ ان کے دل میں یہ خیال اور یہ حسرت نہ ہو کہ میاں صاحب کا مکان پکا ہے اور ہمارا مکان کچا ہے۔

تاکہ پڑوسیوں کو حسرت نہ ہو

میرے بڑے بھائی جناب ذکی کیفی مرحوم اپنا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب کے پاس گیا، آموں کا موسم تھا، میاں صاحب نے آم پیش کیے کہ آم کھاؤ اور اس زمانے میں آم چوس کر کھائے جاتے تھے، جب چھلکے اور گٹھلیاں جمع ہوگئیں تو میں نے پوچھا کہ ان کو باہر پھینک دوں؟ اور اٹھا کر دروازے کی طرف چلا، حضرت نے پوچھا کہ کہاں چلے؟ میں نے کہا حضرت باہر پھینکنے کے لیے جارہا ہوں، حضرت نے فرمایا: نہیں اس کو باہر مت پھینکو، میں نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے فرمایا کہ جب باہر دروازے پر اتنے سارے چھلکے اور گٹھلیاں محلے کے بچوں کو نظر آئیں گی ان میں سے بہت سے غریب ہیں جو آم کھانے کی استطاعت نہیں رکھتے تو ہوسکتا ہے کہ اس کو دیکھ کر

ان کے دل میں حسرت پیدا ہو اور یہ حسرت پیدا ہونا اچھی بات نہیں، اس لیے میں ان کو باہر نہیں پھینکتا بلکہ چھلکے بکریوں کو کھلا دیتا ہوں۔ یہ ہیں پڑوسیوں کے حقوق، جن کے بارے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"واحسن الی جارك تكن مسلما"

جس میں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو مسلمان ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔

ساتھ کی دکان والا پڑوسی ہے

یہ پڑوسی صرف گھر کی رہائش میں نہیں ہوتا، بلکہ دکان کا بھی پڑوسی ہوتا ہے۔ اگر آپ کی دکان کے ساتھ دوسرے کی دکان ہے تو وہ بھی آپ کا پڑوسی ہے، اس کے بھی حقوق ہیں، لیکن آج کل کمپٹیشن اور مقابلے کا دور ہے، اس لیے برابر کی دکان والے کے ہم پر کیسے حقوق؟ بس ہم کسی طرح اس سے آگے بڑھ جائیں۔

لیکن شریعت کی نظر میں وہ پڑوسی ہے اور پڑوسی ہونے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بنیاد پر وہ تمہارے حسنِ سلوک کا حقدار ہے، جس معاشرے میں اسلامی تعلیمات کا چلن تھا، جو معاشرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا، وہاں دکان کے برابر والا پڑوسی بھی حقوق رکھتا تھا، اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کا مظاہرہ غیر معمولی طریقے پر ہوتا تھا۔

سبق آموز واقعہ

آج سے تقریباً چالیس سال پہلے ۱۹۶۶ء کی بات ہے، مکہ مکرمہ میں عمرہ کے لیے میرا جانا ہوا، میرے بڑے بھائی جناب ولی رازی صاحب ساتھ تھے، اس وقت تک مکہ مکرمہ میں قدامت کے آثار باقی تھے اور ایسی جدت ابھی نہیں آئی تھی، ہم نے وہاں تقریبا دو مہینے قیام کیا، اس وقت جوانی تھی، ہر جگہ جانے اور پرانے اور قدیم جگہیں دیکھنے کا شوق تھا، ایک بازار میں ہم گئے تو ایک صاحب جو وہاں جاکر مقیم ہو گئے تھے، انہوں نے بتایا کہ یہاں تو عجیب منظر ہوتا ہے کہ جیسے ہی اذان ہوئی تو اپنی دکان کو کھلا چھوڑ کر اور سامان پر بس کپڑا ڈال کر نماز کے لیے چلے گئے، کوئی چوری اور ڈاکے کا خطرہ نہیں ہے۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ میں نے اس سے زیادہ عجیب حالت دیکھی کہ میں ایک مرتبہ اسی بازار میں ایک دکان والے کے پاس کپڑا خریدنے گیا، میں نے ایک کپڑا دیکھ کر اسے پسند کر لیا، دام پوچھے تو دام بھی مناسب تھے، میں نے کہا کہ اتنا کپڑا پھاڑ دو، دکاندار نے پوچھا آپ کو یہ کپڑا پسند ہے؟ میں نے کہا: ہاں، دام بھی ٹھیک ہے؟ میں نے کہا ٹھیک ہے، پھر دکاندار نے کہا کہ ایسا کریں کہ یہیں کپڑا سامنے والی دکان سے لے لیں، میں نے کہا کہ وہاں سے کیوں لوں؟ سودا تو آپ سے ہوا ہے، دکان دار نے کہا اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں، آپ کو یہی کپڑا اسی دام میں وہاں سے مل جائے گا، وہاں سے لے لو، میں نے کہا کیا وہ آپ کی دکان ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، میری دکان نہیں ہے، میں نے کہا کہ میرا سودا تو آپ سے ہوا ہے، میں تو آپ ہی سے لوں گا اور میں نے کہا کہ جب تک آپ وجہ نہیں بتائیں گے اس وقت تک نہیں لوں گا، دکاندار نے

کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میرے پاس صبح سے لے کر اب تک آٹھ دس گاہک آچکے ہیں اور سامنے والی دکان میں صبح سے لے کر اب تک کوئی گاہک نہیں آیا، اس لیے میں نے چاہا کہ اس کی بھی بکری ہو جائے، اس لیے تمہیں اس کے پاس بھیج رہا ہوں، یہ ہے مسلمان معاشرے کی ایک جھلک جو اس وقت تک باقی تھی۔

آج طلبِ دنیا کی دوڑ لگی ہوئی ہے

یہ جو آج مصیبت ہمارے اندر آگئی ہے، کہ بس مجھے مل جائے، دوسرے کو ملے یا نہ ملے، بلکہ دوسرے سے چھین کر کھا جاؤں، دوسرے سے لوٹ کر کھا جاؤں، یہ آفت طلبِ دنیا کی دوڑ کی وجہ سے آگئی ہے۔ اب دیکھیے اوپر والے واقعے میں دکان کے پڑوسی کا خیال ہے، اس کے ساتھ حسن سلوک ہو رہا ہے، وہ مسلمان جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو، جس کے دل میں اللہ کے رسول کی عظمت اور محبت ہو، وہ ہی یہ سلوک کرسکتا ہے، دوسرا شخص یہ عمل نہیں کرسکتا، اس لیے کہ تاجر تو یہ کہتا ہے کہ میں تو یہاں نفع کمانے بیٹھا ہوں، میں اپنی دکان کی بکری کرنے کے لیے بیٹھا ہوں، دوسروں کی دکان کی بکری کرنے کے لیے نہیں بیٹھا ہوں، لیکن جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ایمان رکھتا ہو کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو تو تم مسلمان ہو جاؤ گے۔ وہی شخص اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرسکتا ہے، دوسرا نہیں کرسکتا۔

برصغیر میں اسلام کی ابتداء کس طرح ہوئی؟

ہم اپنی برصغیر کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ اس علاقے میں

اسلام کی جو روشنی آئی اور یہاں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا جو نور پھیلایا، درحقیقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کا نتیجہ تھا، یہاں پر ابتداء میں کوئی اسلامی لشکر اس علاقے کو فتح کرنے کے لیے نہیں آیا تھا اور یہاں کوئی تبلیغی جماعت نہیں آئی تھی، جس نے تبلیغ کر کے لوگوں کو مسلمان بنایا ہو، بلکہ یہاں پر سب سے پہلے مالابار کے علاقے میں بعض تابعین، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ صحابہ بھی، مالابار کے ساحل پر اترے اور وہاں پر انہوں نے اپنی تجارت شروع کی اور اس تجارت میں انہوں نے جس سچائی کا اور جس امانت داری کا، دیانت داری کا اور انسان دوستی کا ثبوت دیا تو اس سے لوگوں کے دل ان کی طرف کھنچنا شروع ہوگئے اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات آئی کہ جو دین ان کو یہ باتیں بتا رہا ہے، اس دین کو ہمیں بھی قبول کرنا چاہیے، چنانچہ ان تاجروں کو دیکھ کر لوگ مسلمان ہوئے اور اس طرح سب سے پہلے اسلام مالابار میں آیا، پھر مالابار سے پورے برصغیر میں اسلام پھیلا، تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ جو فرما رہے ہیں کہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو تو تم مسلمان بن جاؤ گے، یعنی تمہارے مسلمان ہونے کا ایک مظاہرہ دنیا کے سامنے آئے گا، تو اللہ تعالیٰ ان کو اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائیں گے (۱)۔

دیوار پر شہتیر رکھنے کی اجازت

بہرحال! پہلی قسم کا پڑوسی وہ ہے جس کی دیوار سے دیوار ملی ہوئی ہو اور

(۱) ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام فی الہند للدکتور عبد المنعم ص ۸۸۔ طبع الموسسۃ الجامعیۃ للدراسات۔بیروت۔

دوسری قسم کا پڑوسی وہ ہے جو ذرا فاصلے پر ہو، لیکن قریب ہی ہو، دونوں کے حقوق ہیں، ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارا پڑوسی اپنا شہتیر تمہاری دیوار پر رکھنا چاہے تو اس کو منع مت کرو، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث لوگوں کو سنا رہے تھے تو لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ دیوار ہماری ہے، ہماری ملکیت ہے تو کیا یہ ہمارے اوپر فرض ہے کہ ہم پڑوسی کو اس کے اوپر شہتیر رکھنے سے منع نہ کریں، ان کی حیرانگی کو دیکھ کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، چاہے تمہیں کتنا برا لگے؟ لیکن میں اس ارشاد کو تمہارے کندھوں کے درمیان پھینک کر رہوں گا[1]۔ مطلب یہ تھا کہ میں تمہیں یہ ارشاد سنا کر رہوں گا۔ حالانکہ اپنی دیوار پر پڑوسی کے شہتیر رکھنے کی اجازت دینا فرض و واجب نہیں؟ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ترغیب دی کہ اگر تم مسلمان ہو تو تمہیں یہ کام کرنا چاہیے۔

پڑوسی کے حقوق میں غیر مسلم داخل ہے

ایک بات اور سمجھ لیں کہ پڑوسی کے حقوق میں مسلم اور غیر مسلم سب برابر ہیں، یعنی پڑوسی ہونے کی حیثیت سے اگر غیر مسلم آپ کے مکان کے برابر میں رہتا ہے تو اس کا بھی یہی حق ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، لہٰذا بعض اوقات یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ تو کافر ہے، اس کے ساتھ حسن سلوک کیوں کریں؟ یہ بات درست نہیں۔ اس لیے کہ پڑوسی ہونے کے ناطے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا تمہارے لیے باعث اجر و ثواب ہے اور اگر پڑوسی ہونے

(۱) صحیح مسلم ۱۲۳۰/۳ (۱۶۰۹)۔

کی بنیاد پر تم نے اس کے ساتھ حسن سلوک کیا اور اس کو ہدیہ تحفہ بھیج دیا، اس کی کوئی مدد اور تعاون کر دیا تو یہ سب اللہ جل شانہ کی رضا کے مطابق ہے اور کیا بعید کہ تمہارے حسن سلوک کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان ڈال دے، نہ جانے کتنے غیر مسلم تھے، مسلمانوں کے پڑوس ہونے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی توفیق عطا فرما دی۔ لہٰذا پڑوس چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو، غریب ہو یا امیر ہو یا فاسق و فاجر ہو، وہ بھی اپنے فسق و فجور کی وجہ سے پڑوسی ہونے کے حقوق سے محروم نہیں۔ ہاں! حسب موقع، مناسب وقت پر اس کو نیک باتوں کی تلقین کرتے رہو۔

تھوڑی دیر کا ساتھی

پڑوسی کی تیسری قسم ہے "صاحب بالجنب" یعنی تھوڑی دیر کا ساتھی، جیسے بس میں، جہاز میں، ریل گاڑی میں آپ کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنے والا صاحب بالجنب ہے یا کسی مجلس میں، درسگاہ میں، کلاس میں، جلسہ گاہ میں تمہارے قریب بیٹھنے والے یہ سب صاحب بالجنب ہیں۔ ہم ذرا اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ہم اسلامی تعلیمات سے کتنی دور چلے گئے ہیں، ریل میں سفر کرتے وقت اور جہاز میں سفر کرتے وقت آپ کو یہ نظر آئے گا کہ ہر جگہ خود غرضی کا رجحان ہے، مجھے اچھی جگہ مل جائے، چاہے دوسرے کو ملے یا نہ ملے، مجھے راحت مل جائے، دوسرے کو راحت ملے یا نہ ملے، عام طور پر یہ مزاج بن گیا ہے۔ قرآنِ کریم یہ کہتا ہے کہ جو شخص صاحب بالجنب ہے، وہ تمہارا ساتھی ہے، چاہے تھوڑی دیر کے لیے ساتھی بنا ہو، لیکن اس ساتھی کا بھی تمہارے اوپر حق ہے۔

اہلِ مغرب کی ایک اچھی صفت

آج ہم لوگ اہلِ مغرب کو برا بھلا تو بہت کہتے رہتے ہیں، وہ ہیں بھی اسی لائق کہ ان کو ایسا کہا جائے، لیکن کچھ صفات ایسی ہیں جو ان لوگوں نے مسلمانوں والی اپنالی ہیں۔ یہ دنیا دارالاسباب ہے، جو شخص بھی کوئی سبب اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں اچھا نتیجہ دیں گے۔ چنانچہ اہل مغرب کا ایک مزاج ہے کہ کسی ایک کام کے لیے اگر تین آدمی کسی ایک جگہ جمع ہوجائیں گے تو فوراً قطار اور لائن بنالیں گے، مثلاً اگر ٹکٹ خریدنا ہے یا بس میں یا ریل میں یا جہاز میں سوار ہونا ہے تو لائن بنا کر سوار ہوں گے، اگر تین آدمی جمع ہوگئے تو خود بخود لائن بنالیں گے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ یہ وہاں کا عام مزاج ہے، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کبھی ان کے درمیان لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا، نہ کبھی چھینا جھپٹی ہوتی ہے، نہ دھینگا مشتی ہوتی ہے، سب کام آرام سے ہوجاتے ہیں، پوری قوم کا یہ مزاج بن گیا ہے۔

ہماری ''خودغرضی'' کا واقعہ

میں اپنا واقعہ بتاتا ہوں، ایک مرتبہ مجھے پی آئی اے کے طیارے میں نیو یارک سے کراچی آنا تھا، جس مرحلے تک گوروں کی حکمرانی تھی وہاں تو ہر جگہ لائن لگی ہوئی تھی، لائنوں سے گزرتے ہوئے سب کام ہوگئے، لیکن جب بس میں بیٹھنے کا موقع آیا تو وہ چونکہ ہمارے پاکستانی بھائیوں کے انتظام میں تھا۔ بارش ہو رہی تھی اور جہاز لیٹ ہوگیا تھا، اس لیے بسوں کے ذریعے ہوٹل جانا تھا۔ اب بس میں بیٹھنے کے لیے جو دھکم پیل ہوئی کہ الامان والحفیظ، کمزور آدمی کا تو بس میں

داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہر آدمی یہ چاہتا تھا کہ میں دوسروں کو پیچھے دھکیل کر پہلے بس میں سوار ہو جاؤں۔ میں نے دل میں کہا کہ وہ کافر تھے اور یہ ماشاء اللہ مسلمان ہیں۔ یہ ہے ''خودغرضی'' کہ مجھے پہلے موقع مل جائے، میں سوار ہو جاؤں، دوسروں کو پیچھے چھوڑ دوں، یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کہ ہم نے ان باتوں کو دین سے خارج کر دیا ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دین صرف نفلیں پڑھنے اور تسبیح پڑھنے کا نام ہے۔

مصافحہ کرنے پر ایک واقعہ

اور دیکھیے! مصافحہ کرنا کوئی فرض واجب نہیں، زیادہ سے زیادہ سنّت ہے، اس مصافحے کے لیے کسی مسلمان کو تکلیف دینا، نقصان پہنچانا، دھکے دینا حرام ہے، ایک حرام کام کر کے ہم سنت پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ صوبہ سرحد (۱) کے ایک علاقے میں جانا ہوا، وہاں کی مسجد میں اجتماع ہوا اور میرا بیان ہوا، دروازے اس مسجد کے چھوٹے تھے، دونوں طرف کھڑکیاں تھیں، برآمدہ بھی تھا، صحن بھی تھا، لوگ دور دور سے بیان سننے کے لیے آئے ہوئے تھے، مسجد کا ہال، برآمدہ اور صحن سب لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ جب بیان ختم ہوا اور مصافحے کی نوبت آئی، میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ برآمدے اور صحن کے لوگ کھڑکیوں کے ذریعے اندر آنے کی کوشش کر رہے تھے اور اس کے نتیجے میں مسجد کی کھڑکیاں ٹوٹ گئیں۔ مقصد ان کا صرف یہ تھا کہ مصافحہ کرنے کا موقع نہ نکل جائے، دماغ میں یہ بات تو بیٹھی ہوئی تھی کہ مصافحہ کرنا سنت ہے اور مصافحہ کرنے کی فضیلت دل و دماغ میں تھی، لیکن یہ ذہن

---

(۱) اب اس صوبے کا نام تبدیل ہو کر خیبر پختونخواہ رکھا ہے اور آسانی کے لیے صوبہ ''کے پی کے'' کہا جاتا ہے۔ عنایت

سے نکل گیا کہ مسجد میں دھکم پیل کرنا، دوسروں کو اذیت دینا حرام ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہماری قوم کی صحیح تربیت نہیں ہوئی، اس کے نتیجے میں یہ فساد پھیلا ہوا ہے۔

حجرِ اسود پر دھکم پیل

حجرِ اسود پر جا کر دیکھیں، کیا ہو رہا ہے، سارے علماء اور فقہاء یہ مسئلہ لکھ لکھ کر چلے گئے کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا بڑی فضیلت کی چیز ہے، لہٰذا کسی شخص کو تکلیف پہنچائے بغیر بوسہ دے سکتے ہو تو دے دو، ورنہ بوسہ دینا کوئی ضروری نہیں، فرض و واجب نہیں۔ مگر آج وہاں دھکم پیل ہو رہی ہے، دوسروں کو تکلیف دی جا رہی ہے اور اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے گناہ کا ارتکاب کیا جا رہا ہے، یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لیے کہ آج دین کے تصور میں یہ باتیں داخل ہی نہیں کہ دوسرے کو تکلیف دینا کوئی گناہ کا کام اور حرام ہے۔ بہرحال! اگر ہم سب مل کر ایک کام کے لیے گئے ہیں تو ہم سب ایک دوسرے کے لیے "صاحب بالجنب" ہیں، ہر ایک کے حقوق ہیں، اگر لائن بنا لوگے تو سب کو موقع مل جائے گا، مگر اس طرف کسی کا دھیان ہی نہیں۔

ایک سنہری بات

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ایک سنہری بات فرمایا کرتے تھے، جو دل پر نقش کرنے کے قابل ہے، فرمایا کرتے تھے کہ باطل میں تو اُبھرنے کا دم ہی نہیں، قرآنِ کریم نے فرما دیا:

اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا[1]

---

(۱) سورۃ الاسراء آیت (۸۱)۔

باطل تو مٹنے کے لیے اور دبنے کے لیے آیا ہے، وہ کبھی ابھر نہیں سکتا اور اگر تم کسی باطل قوم کو دیکھو کہ وہ دنیا میں اُبھر رہی ہے، ترقی کر رہی ہے، تو سمجھ لو کہ کوئی حق چیز اس کے ہاتھ لگ گئی ہے، اس حق چیز نے اس کو اُبھار دیا ہے، ورنہ باطل میں اُبھرنے کی طاقت نہیں تھی۔ آج ہم امریکہ کو، برطانیہ کو اور مغربی طاقتوں کو جتنا برا بھلا کہتے رہیں، ان پر لعنتیں بھیجتے رہیں، لیکن ان کی ترقی ان کی فحاشی اور عریانی کی وجہ سے نہیں، ان کے غلط عقائد کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان کی ترقی ان صفات کی وجہ سے ہے، جو درحقیقت اسلام کی بتائی ہوئی صفات تھیں، انہوں نے ان صفات کو اختیار کر لیا۔ مثلاً محنت، جفاکشی، دیانت داری، تجارت میں امانت داری اور انسانوں کے حقوق کا خیال رکھنا، یہ سب وہ باتیں ہیں جس نے ان کو دنیا میں ترقی دیدی۔ آخرت میں تو ان کا کوئی حصہ نہیں، لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ یہ معاملہ فرماتے ہیں جو شخص جیسا سبب اختیار کرے گا ویسا اس کو دنیا میں پھل مل جائے گا۔

اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ

بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے دین کو خانوں میں بانٹ رکھا ہے، ایک قوم نے ایک خانے کو لے لیا اور اس کو دین سمجھ لیا اور اس خانے سے باہر کی بات اس کے نزدیک دین نہیں، حالانکہ قرآنِ کریم کا کہنا ہے یہ کہ

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (۱)

''اے ایمان والو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ''۔

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۲۰۸)۔

یہ نہیں کہ رمضان المبارک میں تو خوب نفلیں بھی پڑھیں، اعتکاف بھی کیا، رات کو جاگ بھی لیا، تلاوت بھی کر لی، جب رمضان ختم ہوا اور مسجد سے باہر نکلے تو قصائی بن گئے، لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے میں، معاشرت میں خیانت کرنے لگے، آج کی دنیا کرپشن سے بھری ہوئی ہے، اس کے نتیجے میں ہم پر عذاب نہیں آئے گا تو کیا آئے گا؟ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، آمین۔ بہرحال! اس حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرما رہے ہیں کہ تم خود بھی ان باتوں کو سنو اور دوسروں تک پہنچاؤ، اگر تم مسلمان بننا چاہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

خلق خدا سے محبت کیجیے

(اصلاحی خطبات ج ۸ ص ۲۱۳ تا ۲۴۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلقِ خدا سے محبت کیجیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ "مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ، وَمَنْ یَسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ یَسَّرَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ

عَوْنِ اَخِيْه، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰه به طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّة وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰه تَعَالٰى يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰه يَتَدَارَسُوْنَهُ بَيْنَهُمْ اِلا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ»(۱)

جوامع الکلم کیا ہیں؟

اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ بہت سے جملے روایت فرمائے ہیں۔ ان میں سے ہر جملہ اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے بڑا جامع جملہ ہے۔ ایک اور روایت میں حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اوتیتُ جَوَامِعَ الكَلِمِ"(۲)

مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے کلمات عطا کیے گئے ہیں جو جامع ہیں۔

یعنی جن کے الفاظ تو تھوڑے ہیں اور بولنے میں مختصر ہیں، لیکن اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اور عمل کے اعتبار سے وہ بڑے جامع کلمات ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ارشادات جو چھوٹے چھوٹے جملوں پر مشتمل ہیں

(۱) صحیح مسلم ٤/٢٠٧٤ (٢٦٩٩).
(۲) مسند أحمد ١٢/٣٦٦ (٧٤٠٣) وصحيح مسلم ١/٣٧١ (٥٢٣).

اور معنی کے اعتبار سے بڑے حاوی ہیں۔ ان کو ''جوامع الکلم'' کہا جاتا ہے۔ اس حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بہت سے ''جوامع الکلم'' روایت فرمائے ہیں جو مختلف موضوعات سے متعلق ہیں۔

کسی کی پریشانی دور کرنے پر اجر و ثواب

پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مؤمن کی دنیا کی بے چینیوں میں سے کوئی بے چینی دور کرے۔ مثلاً وہ مؤمن کسی پریشانی میں گھرا ہوا ہے یا کسی مشکل میں مبتلا ہے اور کوئی مسلمان اس کی اس پریشانی اور مشکل کو کسی عمل کے ذریعے یا کسی مدد کے ذریعے دور کردے تو اس کا یہ عمل اتنے بڑے اجر و ثواب کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں قیامت کی سختیوں اور بے چینیوں میں سے ایک بے چینی کو اس سے دور فرمادیں گے۔

تنگدست کو مہلت دینے کی فضیلت

دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی تنگدست آدمی کے لیے کوئی آسانی پیدا کردے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں آسانی پیدا فرمادیں گے۔ مثلاً ایک شخص مقروض ہے اور اس نے اپنی کسی ضرورت کی خاطر قرض لیا اور کسی خاص وقت پر واپس کرنے کا وعدہ کرلیا، لیکن جب قرض واپس کرنے کا وقت آیا تو قرض واپس کرنے کے قابل نہیں ہے بلکہ تنگدست ہے۔ اب وہ قرض واپس کرنا چاہتا ہے، لیکن تنگدستی کی وجہ سے نہیں دے سکتا، اب اگرچہ قرض دینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ مطالبہ کرے کہ میرا قرض

مجھے واپس کرو، لیکن اگر یہ شخص اس کی تنگدستی کو دیکھتے ہوئے اس کو مہلت دے دے، اور اس سے یہ کہہ دے کہ اچھا جب تمہارے پاس پیسے آجائیں اس وقت دے دینا۔ ایسے شخص کے لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں آسانی پیدا فرمادیں گے اسی کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا:

وَإِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ(۱)

یعنی تمہارا مقروض شخص اگر تنگدست ہے تو پھر ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ اس کو اس وقت تک مہلت دے جب تک اس کا ہاتھ کھل جائے اور اس کی تنگدستی دور ہوجائے، اور اس میں قرض کی ادائیگی کی طاقت پیدا ہوجائے۔

نرم خوئی اللہ کو پسند ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ کو نرم خوئی بہت پسند ہے، اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت محبوب عمل ہے۔ جس شخص نے قرض کے طور پر پیسے دیئے ہیں۔ اس کو قانونی طور پر ہر وقت یہ حق حاصل ہے کہ وہ مطالبہ کرکے اپنا قرض وصول کرلے۔ یہاں تک کہ قانونی طور پر اس کو قید بھی کراسکتا ہے، لیکن اسلام کا ایک مسلمان سے یہ مطالبہ ہے کہ صرف پیسوں ہی کو نہ دیکھو کہ کتنا پیسہ چلا گیا اور کتنا پیسہ آگیا، بلکہ یہ دیکھو کہ کسی اللہ کے بندے کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہے جس کی کوئی حد و انتہاء نہیں اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ قیامت کے روز نرمی کا معاملہ فرمائیں گے۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۲۸۰).

دوسرے مسلمان کی حاجت پوری کرنے کی فضیلت

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ. (۱)

جو شخص جتنی دیر اپنے بھائی کے کام بنانے اور حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام بناتے رہیں گے۔ اس کی حاجت پوری کرتے رہیں گے تم میرے بندوں کے کام میں لگے رہو میں تمہارے کام میں لگا ہوا ہوں۔ ع

کارساز ما بساز کار ما فکر ما در کار ما آزار ما

ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ

مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (۲)

”اگر کسی نے کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت اور پریشانی کو دور فرمائیں گے۔“

مخلوق پر رحم کرو

درحقیقت یہ دونوں کام یعنی دوسروں کی حاجت پوری کرنا اور دوسروں کی مصیبت اور پریشانی کو دور کرنا اسی وقت ہوسکتا ہے جب دل میں اللہ تعالیٰ کی

(۱) صحيح البخاری ۱۲۸/۳ (۲٤٤٢) و ۲۲/۹ (٦٩٥١) وصحيح مسلم ٤/١٩٩٦ (٢٥٨٠).
(۲) أيضا.

مخلوق کی طرف سے رحم ہو اور ان کی محبت ہو۔ اگر یہی دونوں کام دکھاوے کے لیے کر لیے تو ان کاموں کی کوئی قیمت نہیں، لیکن اگر یہ سوچا کہ یہ میرے اللہ کے بندے ہیں، اس کی مخلوق ہیں، میں ان کے ساتھ کوئی بھلائی اور اچھائی کروں گا تو اس پر مجھے اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائیں گے۔ تب یہ کام قیمتی بن جائیں گے۔ اللہ کی محبت کا یہ حق ہے کہ اس کے بندوں سے محبت کی جائے، اگر بندوں سے محبت نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں۔ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ۔ (۱)

جو دوسروں پر رحم کرنے والے ہیں، رحمٰن ان پر رحم کرتا ہے،
زمین والوں پر تم رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

لہٰذا جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے تمہارے دل میں رحم نہیں ہوگا اس وقت تک تم مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں۔ تم اللہ کی رحمت کے امیدوار کیسے ہوگے۔ جب اللہ کی مخلوق پر رحم نہیں کرتے۔ ایمان کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے بندوں اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ محبت کرو۔

مجنوں کو لیلیٰ کے شہر کے در و دیوار سے محبت

جب کسی محبوب سے محبت ہو جاتی ہے تو پھر اس محبوب کی ہر چیز سے محبت

(۱) سنن الترمذی ۴۸۳/۳ (۱۹۲۴) وقال هذا حديث حسن صحيح، وسنن أبی داود ۲۸۵/۴ (۴۹۴۱)

ہوتی ہے۔ مجنوں لیلیٰ کی محبت میں کہتا ہے کہ:

اَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى
أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارِ وَذَا الْجِدَارَا

جب میں لیلیٰ کے وطن سے گزرتا ہوں جہاں وہ رہتی ہے
تو میں کبھی اس دیوار کو پیار کرتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو پیار
کرتا ہوں۔

کیوں؟

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِيْ
وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَ[1]

یعنی ان دیواروں سے مجھے کیا تعلق؟ ان کو کیوں پیار
کروں، لیکن چونکہ یہ دیواریں میرے محبوب کی شہر کی
دیواریں ہیں، اس وجہ سے مجھے ان دیواروں سے محبت
ہے، اور جب میں ان کے پاس سے گزرتا ہوں تو ان
دیواروں کو چومتا پھرتا ہوں۔

جب ایک مجنوں کو لیلیٰ کے شہر کی دیواروں سے عشق ہو جائے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہو، لیکن اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق سے محبت نہ ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے بندوں سے تعلق نہ ہو؟ ان پر رحم نہ ہو؟ یہ کیسی محبت ہے؟

---

(۱) المحاضرات في اللغة والأدب ص۹۔

کیا اللہ کی محبت لیلیٰ کی محبت سے کم ہوجائے؟

مثنوی شریف میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجنوں کو تو لیلیٰ کے شہر کے کتے سے بھی محبت تھی، اس لیے کہ یہ میرے محبوب کے شہر کا کتا ہے، مجھے اس سے بھی محبت ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
زگوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

ارے مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہوگیا۔ جب ایک ناپائیدار اور فنا ہوجانے والے وجود سے اتنی محبت ہوجاتی ہے کہ اس کے کتے سے محبت ہونے لگی۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ جو مالک الملک ہیں اور سارے محبوبوں کے محبوب ہیں اس کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ساری مخلوق سے بھی محبت ہوجائے، چاہے وہ حیوان ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ وہ میرے اللہ کی مخلوق ہے۔ اسی وجہ سے شریعت نے حیوانات کے بھی حقوق رکھے ہیں کہ ان پر بھی ترس کا معاملہ کرو اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔

ایک کتے کو پانی پلانے کا واقعہ

بخاری شریف میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک طوائف اور فاحشہ عورت تھی ساری زندگی طوائفی کا کام کیا۔ ایک مرتبہ وہ کہیں سے گزر رہی تھی۔ راستے میں اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت کی وجہ سے زمین کی مٹی چاٹ رہا ہے۔ قریب میں ایک کنواں تھا۔ اس عورت نے اپنے پاؤں سے چمڑے کا موزہ

اتارا، اور اس موزے میں کنوئیں سے پانی نکالا، اور اس کتے کو پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اس کی مغفرت فرمادی[1] کہ میری مخلوق کے ساتھ تم نے محبت اور رحم کا معاملہ کیا، تو ہم تمہارے ساتھ رحم کا معاملہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں۔ لہٰذا اللہ کی مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنا چاہیے، چاہے وہ حیوان ہی کیوں نہ ہو۔

مخلوق پر رحم کا ایک واقعہ

میرے حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر رحم کرنے کا عجیب حال عطا فرمایا تھا کہ کبھی کسی جانور کو مارنا تو دور کی بات ہے۔ کسی جانور کو اس کی جگہ سے ہٹانے کے لیے بھی ہاتھ نہیں اٹھتا تھا۔ یہ سوچ کر کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ پاؤں پر زخم ہوگیا، اس زخم پر مکھیاں آکر بیٹھنے لگیں، ظاہر ہے کہ زخم پر مکھیوں کے بیٹھنے سے تکلیف ہوتی ہے، لیکن حضرت والا ان مکھیوں کو اڑاتے نہیں تھے، بلکہ اپنے کام میں لگے رہتے تھے، اس وقت ایک صاحب آپ کے پاس آگئے، انہوں نے جب یہ صورت دیکھی تو عرض کیا کہ حضرت! اجازت دیں تو میں ان مکھیوں کو اڑا دوں؟ جواب میں حضرت نے فرمایا کہ بھائی! یہ مکھیاں اپنا کام کر رہی ہیں۔ مجھے اپنا کام کرنے دو۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ دل میں یہ خیال جما ہوا تھا کہ یہ میرے اللہ کی مخلوق ہے، ان کو یہاں سے اڑا کر کیوں پریشان کروں؟ بہرحال! اللہ تعالیٰ کی محبت صحیح معنی میں اس وقت ہوگی جب اللہ کی مخلوق سے بھی محبت ہو جائے۔ اس پر بھی رحم کرے۔

---

(۱) صحیح البخاری ۱۳۰/۴ (۲۳۲۱).

ایک مکھی پر شفقت کا عجیب واقعہ

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہٗ سے بار بار یہ واقعہ سنا کہ ایک بزرگ تھے جو بہت بڑے عالم، فاضل محدث اور مفسر تھے۔ ساری عمر درس و تدریس اور تالیف و تصنیف میں گزری اور علوم کے دریا بہادیئے۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو خواب میں کسی نے ان کو دیکھا تو ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ کے ساتھ کیسا معاملہ ہوا؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ مجھ پر اپنا فضل فرمایا، لیکن معاملہ بڑا عجیب ہوا، وہ یہ کہ ہمارے ذہن میں یہ تھا کہ ہم نے الحمد للہ زندگی میں دین کی بڑی خدمت کی ہے، درس و تدریس کی خدمت انجام دی، وعظ اور تقریریں کیں، تالیفات اور تصنیفات کیں، دین کی تبلیغ کی، حساب کتاب کے وقت ان خدمات کا ذکر سامنے آئے گا، اور ان خدمات کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائیں گے، لیکن ہوا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہیں بخشتے ہیں، لیکن معلوم بھی ہے کہ کس وجہ سے بخش رہے ہیں؟ ذہن میں یہ آیا کہ ہم نے دین کی جو خدمات انجام دی تھیں، ان کی بدولت اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں۔ ہم تمہیں ایک اور وجہ سے بخشتے ہیں۔ وہ یہ کہ ایک دن تم کچھ لکھ رہے تھے، اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوتے تھے۔ اس قلم کو روشنائی میں ڈبوکر پھر لکھا جاتا تھا۔ تم نے لکھنے کے لیے اپنا قلم روشنائی میں ڈبودیا۔ اس وقت ایک مکھی اس قلم پر بیٹھ گئی اور وہ مکھی قلم کی سیاہی چوسنے لگی۔ تم اس مکھی کو دیکھ کر کچھ دیر کے لیے رُک گئے اور یہ سوچا کہ یہ مکھی پیاسی ہے، اس کو روشنائی پی لینے دو، میں بعد میں لکھ لوں گا۔ تم نے یہ جو اس وقت قلم کو روکا تھا وہ خالصۃً میری

محبت اور میری مخلوق کی محبت میں اخلاص کے ساتھ روکا تھا۔ اس وقت تمہارے دل میں کوئی اور جذبہ نہیں تھا۔ جاؤ، اس عمل کے بدلے میں آج ہم نے تمہاری مغفرت کردی۔(۱)

خدمتِ خلق ہی کا نام تصوف ہے

بہرحال! یہ بڑا نازک راستہ ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ محبت نہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ محبت کا دعویٰ سچا نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

ز تسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

یعنی لوگوں نے تصوف اس کا نام رکھ لیا ہے کہ ہاتھ میں تسبیح ہو۔ مصلیٰ بچھا ہوا ہو، گدڑی ہو۔ درویشانہ لباس پہنا ہوا ہو۔ ان چیزوں کا نام تصوف اور طریقت نہیں ہے، بلکہ تصوف اور طریقت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ مخلوق کی خدمت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں ہمارے ساتھ محبت کا دعویٰ ہے تو پھر ہماری مخلوق کے ساتھ محبت کرو۔ ان کی خدمت کرو۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے محبت ہے، ارے! اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ بڑا پیار ہے۔ آپ اس کا تجربہ کرلیں کہ کسی نے اپنے ہاتھوں سے محبت کرکے کوئی چیز بنائی، وہ چیز پتھر ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس بنانے والے کو اس بنائے ہوئے پتھر سے محبت ہوجاتی

---

(۱) دیکھیے فیض القدیر المناوی ۱/۴۷۳ و ۳/۸ طبع المکتبۃ التجاریۃ الکبری، وبریقۃ محمودیۃ ۳/۷۰ مطبعۃ الحلبی۔

ہے کہ اس پتھر کے بنانے میں وقت لگایا ہے۔ میں نے محنت کی ہے۔ یہ میری دولت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بنایا اور ان کو پیدا کیا ہے۔ اس لیے ان کو اپنی مخلوق سے محبت ہے۔ لہٰذا اگر ان سے محبت کا دعویٰ ہے تو ان کی مخلوق سے بھی محبت کرنی ہوگی۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک عجیب واقعہ

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آچکا، ساری قوم اس طوفان کے نتیجے میں ہلاک ہوگئی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ اب تمہارا کام یہ ہے کہ تم مٹی کے برتن بناؤ، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں مٹی کے برتن بنانا شروع کردیئے۔ اور دن رات اس میں لگے رہے۔ جب کئی دن گزر گئے اور برتنوں کا ڈھیر لگ گیا۔ تو دوسرا حکم یہ دیا کہ اب سب برتنوں کو ایک ایک کرکے توڑ دو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! میں نے بڑی محنت سے اور آپ کے حکم پر بنائے تھے اب آپ ان کو توڑنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارا حکم یہ ہے کہ اب ان کو توڑ دو، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو توڑ دیا، لیکن دل دکھا کہ اتنی محنت سے بنائے اور ان کو تڑوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے نوح! تم نے اپنے ہاتھوں سے یہ برتن بنائے، اور میرے حکم سے بنائے، ان برتنوں سے تمہیں اتنی محبت ہوگئی کہ جب میں نے تمہیں ان کو توڑنے کا حکم دیا تو تم سے توڑا نہیں جا رہا تھا۔ دل یہ چاہ رہا تھا کہ یہ برتن جو میری محنت اور میرے ہاتھ سے بنے ہوئے ہیں، کسی طرح بچ جائیں تو بہتر ہے اس لیے کہ تمہیں ان برتنوں سے محبت ہوگئی تھی، لیکن تم نے ہمیں نہیں دیکھا کہ ساری مخلوق ہم نے اپنے ہاتھ سے بنائی۔ اور تم

نے ایک مرتبہ کہہ دیا کہ

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا (۱)

''اے اللہ! زمین میں بسنے والے سب کافروں کو ہلاک کردے اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہے''

تمہارے اس کہنے پر ہم نے اپنی مخلوق کو ہلاک کر دیا۔ اشارہ اس بات کی طرف فرمایا کہ جس مٹی سے تم برتن بنا رہے تھے باوجود یہ کہ وہ مٹی تمہاری پیدا کی ہوئی نہیں تھی۔ اور اپنی خواہش سے وہ برتن نہیں بنا رہے تھے بلکہ میرے حکم سے بنا رہے تھے۔ پھر بھی تمہیں ان سے محبت ہوگئی تھی تو کیا ہمیں اپنی مخلوق سے محبت نہیں ہوگی؟ جب محبت ہے تو پھر تمہیں بھی میری مخلوق کے ساتھ محبت کرنی پڑے گی، اگر تمہیں میرے ساتھ محبت ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اور اس سے محبت کی دعائیں مانگتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اپنی محبت عطا فرما۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں فرما رہے ہیں کہ تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم نے مجھے دیکھا تو ہے نہیں کہ براہِ راست تم مجھ سے محبت کرسکو، اور مجھ سے اسی طرح کا تعلق قائم کرسکو جیسے کسی چیز کو دیکھتے ہوئے کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر تمہیں مجھ سے تعلق

---

(۱) سورۃ نوح آیت (۲٦).

قائم کرنا ہے تو میں نے دنیا میں اپنی محبت کا مظہر ان بندوں کو بنایا ہے۔ لہٰذا تم میرے بندوں سے محبت کرو اور میرے بندوں پر رحم کھاؤ، اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو، اس سے میری محبت پیدا ہوگی اور مجھ سے محبت کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے، لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں، یہ بندے کیا چیز ہیں؟ یہ مخلوق کیا چیز ہیں؟ یہ تو حقیر ہیں۔ اور پھر ان مخلوق کی طرف حقارت کی نگاہ ڈالنا، ان کو برا سمجھنا اور ان کو کمتر جاننا، یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے جو محبت ہے، وہ جھوٹی محبت ہے، اس لیے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہوگی اس کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے ضرور محبت ہوگی، اسی لیے حضورِ اقدس سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام میں اور اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کام بنانے میں لگے رہتے ہیں۔ اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کی بے چینی کو دور کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی بے چینی کو دور فرمائیں گے۔

اولیاءِ کرام کی حالت

جتنے اولیاءِ کرام رحمہم اللہ گزرے ہیں، ان سب کا حال یہ تھا کہ وہ اگر مخلوق کو برے حال میں دیکھتے یا فسق و فجور میں اور گناہوں کے اندر مبتلا دیکھتے تو وہ اولیاء ان گناہوں سے تو نفرت کرتے تھے۔ اس لیے کہ گناہوں سے نفرت کرنا واجب ہے۔ ان کے فسق و فجور سے اور ان کے اعمال سے نفرت کرنا واجب ہے، لیکن دل میں اس آدمی سے نفرت نہیں ہوتی تھی، اس کی حقارت دل میں نہیں ہوتی تھی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ دریائے دجلہ کے کنارے چہل قدمی کرتے ہوئے جارہے تھے، قریب سے دریا میں ایک کشتی گزری۔ اس کشتی میں اوباش قسم کے نوجوان بیٹھے ہوئے تھے۔ اور گانے بجاتے ہوئے جارہے تھے۔ اور جب گانا بجانا ہورہا ہو، اور ہنسی مذاق کی محفل ہو۔ اس موقع پر اگر کوئی ملا پاس سے گزرے تو اس ملا کا مذاق اڑانا بھی تفریح کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ان اوباش لوگوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق اڑایا۔ اور آپ پر کچھ فقرے کسے۔ حضرت کے ساتھ ایک صاحب اور تھے۔ انہوں نے یہ صورت حال دیکھ کر فرمایا کہ حضرت! آپ ان کے حق میں بددعا فرمادیں، کیونکہ یہ لوگ اتنے گستاخ ہیں کہ ایک طرف توفسق و فجور اور گناہوں میں مبتلا ہیں، اور دوسری طرف اللہ والوں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، اور فرمایا اے اللہ! آپ نے ان نوجوانوں کو جس طرح یہاں دنیا میں خوشیاں عطا فرمائی ہیں، ان کے اعمال ایسے کردیجیے کہ وہاں آخرت میں بھی ان کو خوشیاں نصیب ہوں۔ دیکھیے، ان کی ذات سے نفرت نہیں فرمائی، اس لیے کہ یہ تو میرے اللہ کی مخلوق ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر شفقت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے، جب آپ پر کفار کی طرف سے اینٹیں برسائی جارہی تھیں، آپ کو پتھر مارے جارہے تھے، آپ کے پاؤں زخم سے لہولہان تھے، لیکن اس وقت بھی زبان پر یہ الفاظ جاری

تھے کہ

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما، ان کو علم نہیں ہے، یہ مجھے جانتے نہیں ہیں، یہ نادان ہیں اور نادانی میں یہ حرکت کر رہے ہیں، اے اللہ! ان کو ہدایت عطا فرما۔"[1]

زبان پر یہ الفاظ اس لیے جاری ہوئے کہ کفار کے اعمال سے تو نفرت اور بغض ہے، لیکن ان کی ذات سے نفرت نہیں، اور ذات بحیثیت ذات کے میرے اللہ کی مخلوق ہے۔ اور میرے اللہ کی مخلوق سے مجھے محبت ہے۔

گناہ گار سے نفرت مت کرو

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ فسق و فجور سے اور گناہوں سے نفرت نہ کرنا بھی گناہ ہے۔ گناہوں سے ضرور نفرت کرنی چاہیے۔ اور ان کو برا سمجھنا چاہیے، لیکن جو شخص ان گناہوں کے اندر مبتلا ہے اس کی ذات کی حقارت دل میں نہ آنی چاہیے۔ اس سے نفرت نہ ہو، بلکہ اس پر ترس کھانا چاہیے۔ جس طرح ایک شخص بیمار ہوجائے اور علاج کے لیے ڈاکٹر کے پاس جائے تو اب ڈاکٹر کا یہ کام نہیں ہے کہ اس پر ناراض ہوجائے کہ تم کیوں بیمار پڑے، بلکہ وہ ڈاکٹر اس بیمار کے اوپر ترس کھاتا ہے کہ بیچارہ اس بیماری میں مبتلا ہوگیا اور اس کا علاج کرتا ہے اور اس کے لیے دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! اس کی بیماری کو دور فرمادے۔ اسی طرح

---

(۱) الأحاديث المختارة للضياء المقدسي ۱۰/۱۳(۲)، وشعب الإيمان للبيهقي ۳/۴۵(۱۳۷۵) وأصله في صحيح البخاري ۴/۱۷۵(۳۴۷۷).

گناہ گار، فاسق و فاجر کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہونا چاہیے کہ ان کے فسق و فجور سے بغض اور نفرت ہو، لیکن ان کی ذات سے بغض اور نفرت نہ ہو، بلکہ اس کی ذات کے ساتھ اس لحاظ سے محبت ہو کہ یہ میرے اللہ کی مخلوق ہے۔ اور اس کے لیے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو راہِ راست پر لے آئے۔

ایک تاجر کی مغفرت کا عجیب قصہ

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز جب حساب کتاب ہوگا تو اس وقت وہ پیش ہوگا، لیکن اس کا کوئی نمونہ ہوسکتا ہے کہ پہلے بھی کسی وقت دکھادیا جاتا ہو۔ بہرحال، جب وہ پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ اس کا اعمال نامہ دیکھو کہ اس نے کیا کیا اعمال کیے ہیں۔ جب فرشتوں نے دیکھا تو یہ معلوم ہوا کہ اس کا اعمال نامہ نیکیوں سے تقریباً خالی ہے۔ نہ نماز ہے، نہ روزہ ہے، نہ کوئی اور عبادت ہے، بس دن رات تجارت کرتا رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں لیکن دوسروں کے سامنے ظاہر کرانے کے لیے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ ذرا اچھی طرح دیکھو کہ کوئی اور نیک عمل اعمال نامے میں ہے یا نہیں؟ اس وقت فرشتے کہیں گے کہ ہاں! اس کا ایک نیک عمل ہے، وہ یہ ہے کہ یہ شخص اگرچہ کوئی خاص نیک عمل تو نہیں کرتا تھا، لیکن یہ تجارت کرتا تھا۔ اور اپنے غلاموں کو تجارت کا سامان دے کر بھیجتا کہ جاکر یہ سامان بیچ کر اس کے پیسے لاکر دیں۔ اس شخص نے اپنے غلاموں کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ جب کسی کو کوئی سامان فروخت کرو اور تم یہ دیکھو کہ وہ شخص تنگ دست اور مفلس ہے تو

اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا، اگر اس کو ادھار دیا ہے تو اس سے ادھار وصول کرنے میں بہت سختی سے کام مت لینا اور کبھی کسی کو معاف بھی کر دیا کرنا، چنانچہ ساری عمر تجارت کے اندر اس کا یہ معمول رہا کہ جب کسی تنگدست سے معاملہ کیا تو یا تو اس کو مہلت دیدی یا موقعہ ہوا تو اس کو معاف ہی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھا یہ میرے بندوں کو معاف کرتا تھا۔ تو میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ اس کو معاف کروں، چنانچہ پھر فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس سے درگزر کا معاملہ کرو اور اس کو جنت میں بھیج دو۔ [1] بہرحال! بندوں کے ساتھ معافی کا معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

یہ رحمت کا معاملہ تھا، قانون کا نہیں

لیکن ایک بات یاد رکھیے کہ یہ اوپر کا معاملہ، رحمت کا معاملہ تھا۔ یہ کوئی قانون نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی شخص یہ نہ سوچے کہ یہ اچھا نسخہ ہاتھ آ گیا کہ نہ نماز پڑھو، نہ روزہ رکھو، نہ زکوٰۃ دو، نہ دوسرے فرائض انجام دو نہ گناہوں سے بچو۔ بس میں بھی اسی طرح لوگوں کو معاف کر دیا کروں گا تو قیامت کے روز میری بھی معافی ہو جائے گی۔ یہ درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ معاملہ رحمت کا ہے اور اللہ کی رحمت کسی قاعدے اور قانون کی پابند نہیں ہوتی۔ وہ جس کو چاہیں اپنی رحمت سے بخش دیں، لیکن قانون یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی ضرور کرنی ہے، گناہوں سے بچنا ضروری ہے، اگر کوئی شخص فرائض کی ادائیگی نہیں کرتا یا گناہوں سے نہیں بچتا تو محض کسی ایک عمل کی بنیاد پر تکیہ کر کے بیٹھ جائے کہ بس ایک عمل کے ذریعہ میری چھٹی ہو جائے گی، یہ بات درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون

---

(۱) صحیح البخاری ۵۷/۳ (۲۰۷۷) و ۱۱۶/۳ (۲۳۹۱) و صحیح مسلم ۱۱۹۴/۳ (۱۵۶۰).

نہیں ہے۔ جس شخص کی صرف ایک عمل کی بنیاد پر بخشش ہوگئی۔ معلوم نہیں اس نے وہ عمل کس جذبہ کے ساتھ کیا ہوگا۔ اوراس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آگئی، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کردیا۔ ہمارے اورآپ کے لیے یہ کوئی ہمیشہ کا دستور العمل نہیں ہے۔

ایک بچے کا بادشاہ کو گالی دینا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے واقعات کی صحیح حقیقت سمجھانے کے لیے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ نظام حیدرآباد دکن کے ایک نواب صاحب تھے، ان کے وزیر نے ایک مرتبہ ان کی دعوت کردی، اور ان کو اپنے گھر بلایا۔ جب نواب صاحب گھر میں داخل ہوئے تو وزیر صاحب کا بچہ وہاں پر کھیل رہا تھا۔ نواب صاحب کو بچوں سے چھیڑخوانی کرنے کی عادت تھی۔ انہوں نے وزیر کے بچے کو چھیڑنے کے لیے اس کا کان پکڑلیا۔ وہ بہت تیز طرار تھا۔ وہ کیا جانے کہ نواب کون ہے؟ اور بادشاہ کون ہے؟ بچے نے پلٹ کر نواب صاحب کو گالی دیدی۔ جب وزیر صاحب نے بچے کے منہ سے نواب صاحب کے لیے گالی سنی تو اس کی جان نکل گئی کہ میرے بچے نے نواب صاحب کو گالی دیدی اورنواب صاحب کی زبان تو قانون ہوتی ہے۔ اب پتہ نہیں کہ بچے کا کیا حشر کرے گا، اس لیے وزیر نے اپنی وفاداری جتانے کے لیے تلوار نکال لی، اورکہا میں ابھی اس کا سرقلم کرتا ہوں، اس نے نواب صاحب کی شان میں گستاخی کی ہے۔ نواب صاحب نے روکا کہ نہیں۔ چھوڑو، یہ بچہ ہی تو ہے، باقی یہ بچہ ذہین لگتا ہے۔ اور اس میں اتنی خودداری ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا کان مروڑدے تو یہ بچہ فوراً اس کے آگے ہتھیار ڈالنے والا نہیں ہے، بلکہ بڑا ذہین اور خوددار ہے۔ اپنا بدلہ خود

لینے والا ہے۔ اور اپنے اوپر اعتماد رکھنے والا ہے۔ ایسا کرو کہ اس کا ماہانہ وظیفہ جاری کرو۔ چنانچہ اس کا وظیفہ جاری ہوا۔ اور اس وظیفہ کا نام تھا ''وظیفۂ دشام'' یعنی گالی دینے کا وظیفہ۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب تم بھی یہ سوچ کر کہ گالی دینے سے وظیفہ جاری ہوتا ہے لہٰذا تم بھی جا کر نواب صاحب کو گالی دے آؤ۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسا نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ خاص طور پر اس بچے کے خاص حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بادشاہ کی سخاوت کا ایک مظاہرہ تھا کہ گالی دینے کے باوجود بچے کو نواز دیا، لیکن یہ کوئی عام قانون نہیں تھا کہ جو کوئی نواب صاحب کو گالی دے گا تو اس کو وظیفہ ملے گا، بلکہ اب کوئی گالی دے گا تو پٹائی ہوگی۔ جیل میں بند کر دیا جائے گا، ہوسکتا ہے کہ سر قلم کر دیا جائے۔ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کی نکتہ نوازی کا ہے کہ کسی کو کسی نکتہ سے نواز دیا اور کسی کو کسی نکتے سے نواز دیا، کسی کا کوئی عمل قبول فرمالیا اور کسی کا کوئی عمل قبول فرمالیا، ان کی رحمت کسی قید کسی شرط اور کسی قانون کی پابند نہیں۔

وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ کُلَّ شَیْءٍ

میری رحمت تو ہر چیز پر وسیع ہے۔

اس لیے کسی کے ساتھ ناانصافی کبھی نہیں ہوتی، لیکن بعض اوقات کسی کو کسی عمل پر نواز دیا جاتا ہے جب وہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے۔

کسی نیک کام کو حقیر مت سمجھو

اس سے یہ نتیجہ تو ضرور نکالا جاتا ہے کہ کوئی نیکی کا کام حقیر نہیں ہوتا، کیا پتہ

کہ اللہ تعالیٰ کس نیک کام کو قبول فرمالیں اور اس سے بیڑہ پار ہوجائے، اس لیے کسی نیکی کے کام کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، لیکن یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ چونکہ یہ واقعات سننے میں آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں نیک کام پر بخش دیا۔ لہٰذا اب نہ تو نماز پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ فرائض ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ بس آدمی اللہ کی رحمت پر تکیہ کرکے بیٹھ جائے۔

عاجز کون؟

چنانچہ یہ حدیث آپ نے سنی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عاجز شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے چھوڑ دے۔ اور جو دل میں آرہا ہے وہ کام کر رہا ہے۔ یہ نہیں دیکھ رہا ہے کہ یہ کام حلال ہے یا حرام ہے۔ جائز ہے یا ناجائز، لیکن اللہ تعالیٰ پر تمنا اور آرزو لگائے بیٹھا ہے کہ اللہ میاں تو بڑے غفور رحیم ہیں۔ سب معاف فرمادیں گے۔[1] بہرحال! ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں۔

بندوں پر نرمی کرنے پر مغفرت کا ایک اور واقعہ

اسی طرح ایک اور حدیث میں جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں، ان میں ایک شخص ایسا تھا کہ جب وہ کوئی چیز فروخت کرتا تو اس میں نرمی سے کام لیتا، یہ نہیں کہ پیسے پیسے پر لڑ رہا ہے بلکہ گاہک کو ایک قیمت بتادی، اب گاہک کہہ رہا ہے کہ تھوڑی سی کمی کردو تو اس نے

---

(۱) سنن الترمذی ۲٤٦/٤ (۲٤۵۹) وقال هذا حديث حسن.

یہ سوچ کر چلو تھوڑا منافع کم سہی، چلو اس کو دے دو۔ اسی طرح جب وہ کوئی چیز خریدتا، تب بھی نرمی کا معاملہ کرتا، جب دوکاندار نے چیز کی قیمت بتادی، اس نے بس ایک مرتبہ اس سے کہہ دیا کہ بھائی تھوڑی سی کم کردو۔ یہ نہیں کہ قیمت کم کرانے کے لیے اس سے لڑ رہا ہے اور اس سے زبردستی کم کرا رہا ہے، بلکہ ایک آدھ مرتبہ کہہ دینے کے بعد قیمت ادا کرکے چیز لے لی۔ اسی طرح جب دوسرے سے اپنا حق وصول کرنے کا وقت آتا، مثلاً کسی سے پیسے وصول کرنے ہیں یا قرض وصول کرنا ہے، تب بھی نرمی کا معاملہ کرتا، اور اس سے کہتا کہ چلو ابھی پیسے نہیں ہیں تو بعد میں ادا کردینا تمہیں مہلت دیتا ہوں۔ جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی پیشی ہوگی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چونکہ یہ میرے بندوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا تھا۔ اس لیے میں بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہوں۔ اور پھر اس کی مغفرتِ فرمادی۔(۱) بہرحال! اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا، اور تنگ دست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا بہت ہی زیادہ پسند ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کسی کے ساتھ بیع وشراء کا معاملہ فرماتے تو اپنے ذمے جتنا واجب ہوتا اس سے زیادہ ہی

(۱) مسند أحمد ۱/۴۶۹(۴۱۰) وسنن ابن ماجه ۳/۵۵۰(۲۲۰۲) وقال البوصيري في المصباح هذا إسناد، رجاله ثقات الا انه منقطع، عطاء بن فروخ لم يلق عثمان بن عفان قاله المديني، وأصل الحديث في صحيح البخاري ۳/۵۷(۲۰۷۶).

دیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں سونے چاندی کے سکے رائج تھے۔ اور وہ سکے بھی مختلف مالیتوں کے ہوتے تھے، اس لیے ان کی گنتی کے بجائے ان کا وزن دیکھا جاتا تھا کہ کتنے وزن کا ہے۔ اس کے ذریعہ قیمت ادا کی جاتی تھی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز بازار سے خریدی۔ دراہم کے ذریعہ جب اس کی قیمت ادا فرمانے لگے تو آپ نے وزن کرنے والے سے فرمایا:

"زِنْ وَاَرْجِحْ"(۱)

جھکتا ہوا تولو۔

یعنی میرے ذمے جتنے دراہم واجب ہیں۔ اس سے کچھ زیادہ دیدو۔

اور ایک روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ مِنْ خَيْرِكُم اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً"(۲)

تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو جب دوسرے کا حق ادا کریں تو اچھی طرح ادا کریں۔

یعنی کچھ زیادہ ہی ادا کریں۔ کم نہ کریں۔ مثلاً آپ کے ذمے سو روپے قرض تھے آپ نے سو کے بجائے ایک سو دس ادا کردیے اور یہ کہ دیتے وقت پریشان نہ کریں، چکر نہ کٹوائیں۔ ٹال مٹول نہ کریں۔ یہ سب باتیں اچھی طرح ادا کرنے اور حسنِ سلوک کے ساتھ ادا کرنے میں داخل ہیں۔

---

(۱) سنن أبی داود ۲۴۵/۳ (۳۳۳۶) وسنن الترمذی ۵۷٤/۲ (۱۳۰۵) وقال حدیث حسن صحیح.
(۲) صحیح البخاری ۹۹/۳ (۲۳۰٦).

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو فقہ کے اندر ہمارے مقتداء ہیں۔ جن کی فقہ پر ہم عمل کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے شاگردوں کے نام ایک وصیت نامہ لکھا ہے۔ اس وصیت نامے میں لکھتے ہیں کہ

> ”جب کسی کے ساتھ بیع وشراء کا معاملہ کرو تو اس کو اس کے حق سے کچھ زیادہ ہی دیدیا کرو۔ کم نہ کیا کرو“۔ (۱)

یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ ہم لوگوں نے صرف چند خاص خاص سنتیں یاد کرلی ہیں اور ان پر عمل کرلیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا حصہ ہے۔ ہمیں ان پر بھی عمل کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تنگدست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا

اس حدیث میں اسی سنت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ

> ”وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ“
>
> ”یعنی جو شخص کسی تنگ دست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت دونوں میں اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمائیں گے“۔

---

(۱) ماخوذ از الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص ۳۷۲ وصية الإمام الأعظم لأبی یوسف.

اصل آسانی تو آخرت کی آسانی ہے، لیکن تجربہ یہ ہے کہ ایسا شخص دنیا میں بھی پریشان نہیں ہوتا۔

پیسے جوڑ جوڑ کر رکھنے والوں کے لیے بددعا

ایک حدیث میں ہے کہ ایک فرشتہ روزانہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہے کہ

"اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا وَ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا"(۱)

"اے اللہ! جو شخص پیسوں کو جوڑ جوڑ کر رکھتا ہو، یعنی ہر وقت گنتا رہتا ہے کہ اب کتنے ہوگئے اور اب کتنے ہوگئے؟ اور خرچ کرتے ہوئے جان نکل رہی ہے، اے اللہ! اس کے مال پر ہلاکت ڈال دے"۔

چنانچہ اس دعا کے نتیجے میں اس کے مال پر اس طرح ہلاکت پڑتی ہے کہ کبھی اس کے پیسے چوری ہوگئے۔ کبھی ڈاکہ پڑ گیا۔ کبھی کوئی نقصان ہوگیا اور کچھ نہ ہو تو بے برکتی ضرور ہوجاتی ہے، وہ پیسے اگرچہ گنتی میں تو زیادہ ہوگئے، لیکن ان پیسوں سے جو حاصل ہونا چاہیے تھا۔ اور ان پیسوں میں جو برکت ہونی چاہیے تھی وہ فائدہ اور برکت حاصل نہ ہوئی۔ مثلاً پیسے تو زیادہ ہوگئے، لیکن گھر میں کوئی بیماری ہوگئیں، اور اب وہ پیسے ہسپتال اور ڈاکٹر کے نذر ہورہے ہیں۔ بتایئے یہ کیسی برکت ہوئی؟ یا پیسے تو بہت جمع ہوگئے، لیکن گھر کے اندر ناچاقی ہوگئی اور اس کے نتیجے میں زندگی کا لطف جاتا رہا۔

---

(۱) صحيح البخاری ۱۱۵/۲ (۱٤٤۲) و صحيح مسلم ۷۰۰/۲ (۱۰۱۰).

پیسے خرچ کرنے والوں کے لیے دعا

پیسے خرچ کرنے والوں کے لیے فرشتہ یہ دعا کرتا ہے:

"وَاَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا"

اے اللہ! جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو، صدقہ خیرات کرتا ہو، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہو، کسی کو پیسے دے رہا ہے، کسی کو پیسے معاف کر رہا ہے، اے اللہ! ایسے خرچ کرنے والے کو خرچ کا بدل دنیا میں ہی عطا فرما۔

بہرحال! جو شخص اس طرح لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے والا ہو، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں اس کے پیسے زیادہ خرچ ہو رہے ہیں، لیکن جو پیسہ خرچ ہوتا ہے، وہ حقیقت میں جا نہیں رہا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت لا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بدل عطا فرما دیتے ہیں۔ آج تک کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا گیا جو صرف اس وجہ سے مفلس ہو گیا کہ وہ صدقہ خیرات زیادہ کرتا تھا یا لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کی وجہ سے مفلس ہو گیا ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو بدل ضرور عطا فرماتے ہیں اسی حدیث میں فرمایا: اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کے لیے آسانی پیدا فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی آسانی پیدا فرمائیں گے۔

دوسروں کی پردہ پوشی کرنا

تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا، سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

مثلاً کسی مسلمان کا کوئی عیب یا غلطی سامنے آگئی کہ اس نے فلاں کام غلط اور ناجائز کیا ہے، اب ہر جگہ اس کے بارے میں چرچا کرتے پھرو کہ وہ تو یہ کام کر رہا تھا اس کے بجائے اس کی پردہ پوشی کرو۔ اس کو چھپادو، کسی اور کو مت بتاؤ۔ یہ طریقہ اس وقت اختیار کرنا چاہیے کہ جب اس کے عمل سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، لیکن اگر اس کا ایسا عمل سامنے آیا جس سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، مثلاً کسی کے قتل کرنے کی سازش کی جارہی ہے اس وقت پردہ پوشی کرنا جائز نہیں بلکہ دوسروں کو بتانا ضروری ہے، لیکن اگر اس کے عمل سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر حکم یہ ہے کہ اس کی پردہ پوشی کرو اور اس کے لیے دعا کرو کہ یا اللہ! یہ شخص اس گناہ کے اندر مبتلا ہو گیا ہے آپ اپنی رحمت سے اس کو اس گناہ سے نکال دیجیے۔

بہرحال! دوسروں کے عیب نہ تو تلاش کرو، اور نہ اس کے پھیلانے کی کوشش کرو۔ آج کل اس بارے میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے، ایک آدمی کے بارے میں آپ کو پتہ چل گیا کہ وہ فلاں کام کرتا ہے، اب آپ کے پیٹ میں یہ بات نہیں رکتی، اور دوسروں سے کہے بغیر آپ کو چین نہیں آتا، دوسروں کو بتانا ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بلاوجہ دوسروں کے عیب تلاش کرنا ان کو پھیلانا گناہ ہے۔

دوسروں کو گناہ پر عار دلانا

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ"

اگر کوئی شخص اپنے بھائی کو ایسے گناہ پر عار دلائے جس گناہ سے وہ توبہ کر چکا تھا تو یہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس گناہ میں مبتلا نہیں ہو جائے گا۔[1]

اگر ایک شخص سے کوئی گناہ ہو گیا، پھر اس نے اس گناہ سے توبہ کر لی۔ اب آپ اس کو بار بار اس گناہ پر عار دلا رہے ہیں کہ تو تو وہی ہے جس نے یہ حرکت کی تھی، اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا، اور اس کے گناہ کو معاف کر دیا، میں نے اس کے نامۂ اعمال سے اس گناہ کو مٹا دیا، اب تو کون ہے اس گناہ پر اعتراض کرنے والا، اور اس گناہ پر عار دلانے والا، اگر تو عار دلائے گا تو ہم تمہیں اسی گناہ کے اندر مبتلا کر دیں گے۔ اس لیے کسی مسلمان کی عیب جوئی کرنا یا کسی مسلمان کے عیب کو بیان کرنا، اس کی تشہیر کرنا بڑا سخت گناہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا کے اندر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا کہ دوسروں کے عیوب کو اچھالتے پھرو، بلکہ تمہیں تو بندہ بنا کر بھیجا ہے۔

اپنی فکر کریں

اس لیے تم اپنی فکر کرو، اپنے عیوب کو دیکھو، اپنے گریبان میں منہ ڈال کر

---

(۱) سنن الترمذی ۲۷٦/٤ (۲۵۰۵) من حديث معاذ بن جبل، وقال هذا حديث حسن غريب وليس اسناده بمتصل وخالد بن معدان لم يدرك معاذ بن جبل. والمعجم الأوسط للطبرانی ۱۹۱/۷ (۷۲٤٤) وشعب الإيمان للبيهقی ٦۷/۹ (٦۲۷۱).

دیکھو۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو اپنے عیوب کی فکر عطا فرمادیتے ہیں۔ اس کو دوسروں کے عیوب نظر ہی نہیں آتے، دوسروں کے عیوب اسی کو نظر آتے ہیں جو اپنے عیوب سے بے پرواہ ہو۔ جو اپنی اصلاح سے غافل ہو۔ جو شخص خود بیمار ہو وہ دوسروں کے نزلہ و زکام کی کہاں فکر کرے گا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ احمق اور بیوقوف ہے۔ اس لیے دوسروں کے عیوب کے پیچھے پڑنا، تجسس کرنا، ان کی تشہیر کرنا بڑا سخت جرم ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمایا، لہٰذا ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ہے کہ وہ یہ کام کرے۔ مسلمان کو ان برائیوں سے پرہیز کرنا لازم ہے اس کے بغیر وہ صحیح معنیٰ میں مسلمان نہیں بن سکتا۔

علم دین سیکھنے کی فضیلت اور اس پر بشارت

چوتھا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

"وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهٖ طَرِيقًا اِلَى الْجَنَّةِ"

اس جملے میں ہم سب کے لیے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ فرمایا کہ

> جو شخص کوئی فاصلہ طے کرے یا کوئی راستہ چلے، اور راستہ چلنے اور فاصلہ طے کرنے سے اس کا مقصد یہ ہو کہ دین کی کوئی بات معلوم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس چلنے کی بدولت اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمادیں گے۔

دین کی ایک بات معلوم کرنے کی خاطر جو سفر کیا جائے گا۔ مثلاً کوئی معاملہ

پیش آئے، اور آپ کو اس کے بارے میں مسئلہ معلوم نہیں ہے، اب آپ مسئلہ معلوم کرنے کے لیے کسی کے پاس جارہے ہیں کہ مجھے اس بارے میں کیا کرنا چاہیے؟ اب مفتی کے پاس جو چل کر گئے تو اس سے آپ کو یہ فضیلت حاصل ہوگئی۔ یہ علم ہمارے اسلاف نے محنت سے جمع کردیا ہم لوگ علم حاصل کرنے کے لیے وہ محنت کہاں کرسکتے ہیں جو محنت ہمارے اسلاف کر گئے۔ آج ہم لوگ آرام سے بیٹھ کر کتاب کھول کر یہ حدیث پڑھ رہے ہیں اور اس پر وعظ کر رہے ہیں۔ ہمارے اسلاف نے فاقے کرکے، روکھی سوکھی کھا کر موٹا چھوٹا پہن کر، مشقت اٹھا کر، قربانیاں دے کر یہ علم ہمارے لیے اس شکل میں تیار کرکے چلے گئے۔ اگر وہ لوگ اس طرح محنت نہ کرتے تو نبی کریم ﷺ کے یہ ارشادات اس طرح ہمارے پاس محفوظ نہ ہوتے، سرکارِ دوعالم ﷺ کی ایک ایک ادا محفوظ کرکے چلے گئے۔ قیامِ قیامت تک آنے والوں کے لیے لائحہ عمل بتاگئے۔ ایک مشعلِ راہ بتاگئے۔

ایک حدیث کے لیے طویل سفر کرنے کا واقعہ

احادیث کے حصول کے لیے صحابہ، تابعین، سلفِ صالحین رضی اللہ عنہم اجمعین نے کافی مشقتیں برداشت کی ہیں اور اس کے لیے دور دراز کے اسفار بھی کیے ہیں۔ احادیث میں ایک واقعہ لکھا ہے کثیر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں صحابیٔ رسول حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ میں مدینہ منورہ سے دمشق صرف اس غرض سے آیا ہوں کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ

کی ایک حدیث ہے جو آپ بیان کرتے ہیں، میں اسے آپ سے براہِ راست سننے آیا ہوں۔

مدینہ منورہ اور دمشق کا فاصلہ تقریباً پندرہ سو کلومیٹر ہے۔ میں نے خود اس راستے پر سفر کیا ہے، وہ پورا راستہ لق و دق صحرا ہے۔ نہ کوئی اس میں ٹیلہ ہے اور نہ کوئی درخت، نہ پانی ہے، چنانچہ یہ بزرگ کٹھن سفر طے کر کے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم واقعی مدینہ سے دمشق صرف اسی غرض سے آئے ہو، کسی اور غرض مثلاً تجارت وغیرہ کے لیے نہیں آئے تو انہوں نے فرمایا: جی ہاں! میں صرف اس حدیث کو لینے کی غرض سے ہی آپ کی خدمت حاضر ہوا ہوں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے جب سنا تو انہیں یہ حدیث سنائی کہ جو شخص کوئی راستہ قطع کرے، جس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کے دین کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں۔ انہوں نے پہلے یہ حدیث سنائی، پھر دوسری حدیث سنائی۔[1]

یہاں آتے وقت سیکھنے کی نیت کرلیا کریں

دیکھیے! ایک حدیث کی خاطر اتنا لمبا سفر کیا۔ اور یہ میں نے آپ کو صرف ایک مثال بتائی۔ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات اور تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ

(۱) سنن أبی داود ۳/۳۱۷ (۳۶۴۱) والحدیث سکت عنه أبو داود. وقال الحافظ فی "الفتح" ۱/۱۶۰ بعد أن عزاه إلی أبی داود والترمذی، وابن حبان والحاکم: "وحسّنه حمزة الکنانی وضعفه غیرهم باضطراب فی سنده، لکن له شواهد یتقوی بها"، ومسند أحمد ۳۶/۴۵ (۲۱۷۱۵-۲۱۷۱۶) وشعب الإیمان للبیهقی ۳/۲۲۰ (۱۵۷۳-۱۵۷۴).

کے حالات اٹھا کر دیکھیے تو یہ نظر آئے گا کہ ان میں سے ایک ایک نے دین کا علم حاصل کرنے کی خاطر اور احادیث جمع کرنے کی خاطر لمبے لمبے سفر کیے۔ آج احادیث کا یہ مجموعہ پکی پکائی روٹی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ ان اللہ کے بندوں نے اپنے مال قربان کیے اور اپنی جانیں قربان کیں، اور مشقتیں اٹھائیں، تب جا کر یہ عمل ہم تک پہنچا ہے۔ یہ محنت وہ حضرات کر گئے۔ اگر ہمارے ذمے یہ کام ہوتا تو یہ دین کا علم ضائع ہو چکا ہوتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ اس نے اس کام کے لیے وہ قوم پیدا کر دی تھی کہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے دین محفوظ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ یہ دین محفوظ ہے۔ کتابیں چھپی ہوئی ہیں۔ اور ہر دور میں دین کو پڑھنے پڑھانے والے، جاننے والے ہر جگہ موجود رہے ہیں۔ بس اب تمہارا اتنا کام ہے کہ ان کے پاس جا کر علم سیکھ لو، اور مسئلہ معلوم کر لو۔

بہر حال! اس حدیث میں علم سیکھنے والے کے لیے یہ عظیم بشارت بیان فرمائی۔ ہم لوگ جو یہاں جمع ہوتے ہیں، اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ دین کی بات سنیں اور سنائیں۔ اور دین کا علم حاصل کریں، اس لیے گھر سے چلتے وقت اس حدیث کو ذہن میں لے آیا کریں کہ ہم دین کا علم حاصل کرنے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی بشارت ہم سب کو عطا فرمائے۔ آمین۔

اللہ کے گھر میں جمع ہونے والوں کے لیے عظیم بشارت

حدیث کے اگلے جملے میں ایک اور بشارت بیان فرمائی، فرمایا کہ

وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ تَعَالٰى يَتْلُوْنَ

كِتَابَ اللّٰهِ يَتَدَارَسُوْنَهُ، بَيْنَهُمْ اِلا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

کوئی جماعت اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر یعنی مسجد میں جمع ہو کر بیٹھ جائے، اللہ کی کتاب کی تلاوت کے لیے یا اللہ کی کتاب کے درس و تدریس کے لیے، یعنی اللہ کے دین کی باتوں کو سننے سنانے کے لیے بیٹھ جائے تو جس وقت وہ لوگ اس مقصد کے لیے جمع ہوتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور چاروں طرف سے ملائکہ اس مجلس اور مجمع کو گھیر لیتے ہیں، ملائکہ کے گھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی طرف متوجہ ہے اور ملائکہ رحمت ان بندوں کے لیے دعا کرتے ہیں اور ان کے لیے استغفار اور التجاء کرتے ہیں کہ یا اللہ! یہ لوگ آپ کے دین کی خاطر جمع ہوئے ہیں یا اللہ! آپ اپنی رحمت سے ان کی مغفرت فرما دیجیے۔ ان پر رحمتیں نازل فرمائیے۔ ان کو معاف فرمائیے۔ ان کو دین کی توفیق عطا فرمائیے۔

تم اللہ کا ذکر کرو اللہ تمہارا تذکرہ کریں گے

اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

"وَذَكَرَهُمُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ"

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی محفل میں ان اہل مجلس کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے اپنے سارے کام چھوڑ کر صرف میری خاطر اور میرا ذکر کرنے کے لیے، میرا ذکر سننے کے لیے، میرے دین کی باتیں سننے کے لیے یہاں جمع ہوئے

ہیں۔ اور اپنے اردگرد کے ملائکہ کے سامنے اس محفل کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات ہے۔ ارے یہ بہت بڑی بات ہے۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

یہ کوئی معمولی بات ہے کہ محبوب حقیقی ہمارا ذکر کرے۔ ارے یہ کام تو ہمارا تھا کہ ہم ان کا ذکر کرتے، ہمیں پہلے حکم (۱) دیا کہ

فَاذْكُرُوْنِيْ

تم میرا ذکر کرو

لیکن ساتھ ہی اس ذکر کا صلہ اور بدلہ بھی عطا فرمادیا کہ

اَذْكُرْكُمْ

میں تمہارا ذکر کروں گا۔

تم مجھے یاد کروگے میں تمہیں یاد کروں گا۔ حالانکہ ہمارا ذکر کیا حقیقت رکھتا ہے۔ ذکر کرلیں تو کیا، نہ کریں تو کیا؟ ہمارے ذکر کرنے سے ان کی عظمت اور جلال میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہیں ہوتا، اور اگر ہم ان کا ذکر چھوڑ دیں، بلکہ ساری دنیا ان کا ذکر کرنا چھوڑ دے تو بھی ان کی عظمت اور جلال میں ذرہ برابر کمی نہیں آئے گی۔ ہماری مثال تو ایک تنکے جیسی ہے۔ ایک تنکے نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلیا تو کیا کمال کیا؟ لیکن وہ بندے کا ذکر کریں، یہ معمولی بات نہیں۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۵۲)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قرآن پاک سنانے کی فرمائش

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ہر صحابی میں اللہ تعالیٰ نے الگ الگ خصوصیات رکھی تھیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خصوصیت یہ تھی کہ قرآنِ کریم بہترین پڑھا کرتے تھے۔ اسی لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

"اَقْرَأُهُمْ لكتاب الله أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ"(۱)

سارے صحابہ میں سب سے بہترین قرآنِ کریم پڑھنے والے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔

ایک دن حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعب ب سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے یہ پیغام بھیجا ہے کہ تم اُبی بن کعب سے کہو کہ وہ تمہیں قرآن شریف سنائیں۔ جب حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو فوراً یہ سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر فرمایا ہے کہ ابی بن کعب سے ایسا کہو؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! تمہارا نام لے کر فرمایا ہے۔ بس اسی وقت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہوگیا، اور روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں اور فرمایا کہ میں اس قابل کہاں کہ اللہ تعالیٰ میرا ذکر فرمائیں، اور میرا نام لیں۔(۲)

---

(۱) سنن الترمذی ۱۲۷/۶ (۳۷۹۱) وقال هذا حديث حسن صحيح.
(۲) صحیح البخاری ۳۶/۵ (۳۸۰۹).

اللہ کے ذکر کرنے پر عظیم بشارت

بہرحال! اللہ تعالیٰ کسی بندے کا ذکر فرمائیں۔ یہ اتنی بڑی دولت اور نعمت ہے کہ ساری دنیا کی نعمتیں اور دولتیں ایک طرف، یہ نعمت ایک طرف، اس حدیث میں اسی عظیم نعمت کے بارے میں فرمایا کہ جب اللہ کا دین سیکھنے کی خاطر اور دین کے پڑھنے پڑھانے کی خاطر لوگ کسی جگہ جمع ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کے مجمع میں ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ایک حدیث قدسی ہے۔''حدیث قدسی'' اس کو کہتے ہیں جس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہٗ کا کلام نقل فرمائیں۔

ایک حدیث قدسی میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا:

''إِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَمَنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُ''(۱)

''جو شخص میرا ذکر تنہائی میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر تنہائی میں کرتا ہوں، اور اس کو یاد کرتا ہوں۔ اور جو شخص میرا ذکر کسی مجمع میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر مجمع میں کرتا ہوں یعنی وہ ذکر انسانوں کے مجمع میں کرتا ہے میں اس کا ذکر ملائکہ کے مجمع میں کرتا ہوں''۔

ذکر کی کتنی بڑی فضیلت بیان فرمادی، اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو دین کی درس وتدریس کے لیے یا دین کے افہام وتفہیم کے لیے کسی جگہ جمع

(۱) صحیح البخاری ۱۲۱/۹ (۷۴۰۵).

ہوجائیں وہ سب اس فضیلت کے اندر داخل ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو اس کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ہم لوگ جو یہاں ہفتے میں ایک دن جمع ہوکر بیٹھ جاتے ہیں اور دین کی باتوں کا تذکرہ کر لیتے ہیں۔ یہ معمولی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑی فضیلت اور ثواب اور اجر کی چیز ہے، بشرطیکہ دل میں اخلاص ہو اور اللہ کے دین کی طلب ہو۔

اونچا خاندان ہونا نجات کے لیے کافی نہیں

اس حدیث میں آخری جملہ یہ ارشاد فرمایا:

"مَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ"

یہ جملہ بھی جوامع الکلم میں سے ہے، معنی اس کے یہ ہیں کہ جس شخص کے عمل نے اس کو پیچھے چھوڑ دیا یا جو شخص اپنے عمل کی وجہ سے پیچھے رہ گیا، تو محض اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ کسی کا عمل خراب ہے اور اس خراب عمل کی وجہ سے جنت تک نہیں پہنچ سکا بلکہ پیچھے رہ گیا۔ جبکہ دوسرے لوگ جلدی جلدی قدم بڑھا کر جنت میں پہنچ گئے، بقول کسی کے ؎

یارانِ تیز گام نے منزل کو جالیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

لوگ آگے چلے گئے اور یہ اپنے عمل کی خرابی کی وجہ سے پیچھے رہ گیا اور عمل کی اصلاح نہ کر پایا تو اب صرف نسب کی وجہ سے کہ چونکہ یہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے یا فلاں بزرگ یا فلاں عالم کا بیٹا ہے۔ محض اس بنیاد پر وہ جلد نہیں

پہنچ سکے گا۔ اشارہ اس طرف فرمایا کہ محض اس پر بھروسہ اور تکیہ کر کے مت بیٹھ جاؤ کہ میں فلاں کا صاحب زادہ ہوں، فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، بلکہ اپنا عمل صحیح کرنے کی فکر کرو۔ اگر یہ چیز کارآمد ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جہنم میں نہ جاتا۔ جبکہ حضرت نوح علیہ السلام اتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ اور اپنے بیٹے کی مغفرت کے لیے دعا بھی فرمارہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (۱)

اس نے جو عمل کیا ہے وہ صالح عمل نہیں ہے، اس لیے اس کے حق میں آپ کی دعا قبول نہیں کی جائے گی تو اصل چیز عمل ہے، البتہ عمل کے ساتھ اگر کسی بزرگ سے تعلق بھی ہوتا ہے تو ان بزرگ کے تعلق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کچھ سہارا فرمادیتے ہیں، لیکن اپنی طرف سے عمل اور توجہ اور فکر شرط ہے۔ اب اگر کسی کو توجہ فکر اور طلب ہی نہیں ہے، بلکہ غفلت کے اندر مبتلا ہے تو محض اونچے خاندان سے تعلق کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا عمل درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خلاصہ

آج کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضا بھی یہ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے محبت کی لازمی شرط یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق سے محبت کرو۔ اور اللہ کی مخلوق پر شفقت اور رحم کرو، جب تک یہ چیز حاصل نہیں ہوگی اس وقت تک

---

(۱) سورۃ هود آیت (٤٦).

اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ جھوٹا ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنی محبت اور اپنی مخلوق کی محبت پیدا فرمادے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مواعظِ عثمانی



اِصلاحی تقاریر ومضامین کا موضوع وار مجموعہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے جملہ مواعظ، خطبات اور تحریرات کا تخریج شدہ جامع اور مستند ترین موضوع وار مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا استیعاب کیا گیا ہے:

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
- اصلاحی خطبات
- اصلاحی مواعظ
- اصلاحی مجالس
- خطباتِ عثمانی
- خطبات دورۂ ہند
- درسِ شعب الایمان
- نشری تقریریں
- فرد کی اصلاح
- اصلاحِ معاشرہ
- تربیتی بیانات
- ذکر وفکر
- the Islamic Months

اس کے علاوہ

- آسان ترجمہ قرآن
- اسلام اور ہماری زندگی
- انعام الباری
- تقریرِ ترمذی
- جہانِ دیدہ
- سفر در سفر
- دنیا مرے آگے
- اسلام اور جدید معاشی مسائل
- ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شامل شدہ، اور بعض صوتی صورتوں میں محفوظ شدہ حضرت والا دامت برکاتہم کے بیانات وخطبات کو شامل کیا گیا ہے، جس سے علماء، طلباء، خطباء اور عام پڑھے لکھے حضرات بآسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔

مواعظ عثمانی جلد-13
010327

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)